ಕರ್ನಾಟಕ ರಾಜ್ಯ ಮುಕ್ತ ವಿಶ್ವವಿದ್ಯಾನಿಲಯ
ಮಾನಸಗಂಗೋತ್ರಿ, ಮೈಸೂರು ೫೭೦ ೦೦೬

KARNATAKA STATE OPEN UNIVERSITY
Manasagangothri, Mysore - 570 006

M.A. FINAL - URDU

فیض احمد فیض

Course-IV, : Faiz Ahmed Faiz

Block-1, Unit 1 - 4

Special Study of an author
FAIZ AHMED FAIZ

وہ بتوں نے ڈالے ہیں وسوسے کہ دلوں سے خوف خدا گیا
وہ پڑی ہیں روز قیامتیں کہ خیال روز جزا گیا

COURSE - 4 **BLOCK - 1**

KSOU NATIONAL INTERNATIONAL RECOGNITION

Karnataka State Open University (KSOU) was established on 1st June 1996 with the assent of H.E. Governor of Karnataka as a full fledged University in the Academic year 1996 vide Government notification No./EDI/UOV/dated 12th February 1996 (Karnataka State Open University Act – 1992). The Act was promulgated with the object to incorporate an Open University at the State Level for the introduction and promotion of Open University and Distance Education Systems in the education pattern of the State and the Country for the Co-ordination and determination of standard of such systems.

- With the virtue of KSOU Act of 1992, Karnataka State Open University is empowered to establish, maintain or recognize Institutions, Colleges, Regional Centres and Study Centres at such places in Karnataka and also open outside Karnataka at such places as it deems fit.
- All Academic Programmes offered by Karnataka State Open University are recognized by the Distance Education Council (DEC), Ministry of Human Resource Development (MHRD), New Delhi.
- Karnataka State Open University is a regular member of the Association of Indian Universities (AIU), New Delhi, since 1999.
- Karnataka State Open University is a permanent member of Association of Commonwealth Universities (ACU), London, United Kingdom since 1999. Its member code number: ZKASOPENUINI.
- Karnataka State Open University is a permanent member of Asian Association of Open Universities (AAOU), Beijing, CHINA, since 1999.
- Karnataka State Open University has association with Commonwealth of Learning (COL), Vancouver, CANADA, since 2003. COL is an intergovernmental organization created by commonwealth Heads of Government to encourage the development and sharing of open learning distance education knowledge, resources and technologies.

Higher Education To Everyone Everywhere

Karnataka State Open University

Manasa Gangothri, Mysore-560 006

کرناٹک اسٹیٹ اوپن یونیورسٹی

مانا سا گنگوتری، میسور۔

M. A. (Final) Faiz Ahmed Faiz

Course IV

Block - 1

Unit - 1 - 4

ایم۔اے۔سال دوم۔اردو

کورس۔4۔ فیض احمد فیض

حصہ-1-اکائیاں (۱تا۴)

I وائس چانسلر

پروفیسر کے .سدھاراؤ

II ڈین اکاڈمک

پروفیسر چمی پرانک

III فیکلٹی ممبرس

1. ڈاکٹر جہاں آرا بیگم

ریڈر صدر شعبۂ اردو کے۔ایس۔او۔یو۔میسور

2. بلقیس بانو۔ایم

سینئر لیکچرار۔کے۔ایس۔او۔یو۔میسور

III مصنف

ڈاکٹر سلیمان اطہر جاوید

وظیفہ یاب پروفیسر۔وینکٹیشورا یونیورسٹی۔تروپتی

IV مدیرہ

ڈاکٹر جہاں آرا بیگم

نصاب کا مقصد

یہ بلاک نمبر 1 ۔کورس نمبر ۴ فیض احمد فیض کے لئے مخصوص ہے۔ اختیاری مضمون کے تحت یہ کورس رکھا گیا ہے۔ جس میں دکنی اور فیض احمد فیضؔ شامل ہیں۔ پرچہ نمبر ۴۔فیض احمد فیض ہے اور اس میں خصوصاً پہلے بلاک میں فیض کے حالات زندگی اُن کی شاعری کا پس منظر، اور اُن کی ترقی پسند تحریک سے وابستگی کے متعلق معلومات فراہم کئے گئے ہیں۔ جیسا کہ آپ کو پتہ ہے فیض کا تعلق ترقی پسند تحریک سے تھا اور اُن کی اس تحریک سے گہری وابستگی بھی تھی بہت سے شعراء اس تحریک سے ابتدا میں وابستہ رہے اور اس تحریک کے ساتھ بہت دور تک چل نہ سکے۔فیض ہی ایک ایسے شاعر ہیں جنہوں نے ترقی پسند تحریک کے ساتھ آخر تک ساتھ نبھایا۔ اور اپنی تخلیقات میں نہ صرف ترقی پسند روایات کو بلکہ قدیم صالح روایات کو بھی برقرار رکھا۔

فیض کے کلام کے مطالعے سے آپ ضرور مستفید ہوں گے۔ان کا کلام غم دوراں اور غم جاناں کا بہترین امتزاج ہے۔فیض احمد فیضؔ کو نصاب میں شامل کر کے ہم نے خود آپ کو اُن کے کلام سے متعارف ہونے کا موقع فراہم کیا ہے۔اس کورس کے جملہ سات بلاک ہیں جن میں ہم نے فیض کی غزل گوئی، نظم گوئی، اُن کی تحریک سے وابستگی اور اُن کے خطوط وغیرہ کے تعلق سے بھی معلومات فراہم کئے ہیں۔ان سے آپ ضرور مستفید ہوں گے۔

مشمولات

اکائی نمبر ۱ فیض کے حالات زندگی
اکائی نمبر ۲ فیض اور ترقی پسند تحریک
اکائی نمبر ۳ فیض کی شاعری کی اہم خصوصیات
اکائی نمبر ۴ فیض کی غزل گوئی

Course IV Block-1

اکائی: 1- فیض کے حالاتِ زندگی

ساخت:

1.0 اغراض ومقاصد

1.1 تمہید

1.2. فیض کے حالاتِ زندگی (شادی تک)

1.2.1 فیض کے حالاتِ زندگی (شادی کے بعد)

1.3 عمومی جائزہ

1.4 خلاصہ

1.5 نمونہ امتحانی سوالات

1.6 فرہنگ

1.7 سفارشی کتب

1.0 اغراض ومقاصد: اس اکائی کو مکمل کر لینے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

☆ فیض کی پیدائش اور بچپن کے حالات

☆ فیض کی تعلیم اور ملازمت

☆ فیض کی مصروفیات اور اُن کی وفات کے بارے میں

واقف ہوں اور انھیں اپنے طور پر بیان کر سکیں۔

1.1 تمہید: اس اکائی میں فیض کے حالات زندگی پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ فیض کہاں پیدا ہوئے، ان کا بچپن کیسے گزرا اور اُن کی تعلیم کہاں اور کیسے ہوئی۔ انہوں نے کہاں ملازمت کی۔ فیض کی سیاسی اور ادبی سرگرمیوں کا کیا حال رہا۔ ان کے آخری ایام کہاں گزرے اور اُن کا انتقال کہاں اور کیسے ہوا۔

1.2 - فیض کے حالاتِ زندگی (شادی تک)

سیال کوٹ (موجودہ پاکستان میں) ایک مردم خیز خطّہ ہے۔ یہاں علم و ادب کی جو عہد ساز شخصیات پیدا ہوئی ہیں اُن میں شاعرِ مشرق اقبالؔ کا نام بھی ملتا ہے۔ اسی ضلع سیال کوٹ کے قصبۂ قادر خاں میں ۱۳، فروری ۱۹۱۱ء کو فیض احمد خاں پیدا ہوئے جنھوں نے آگے چل کر فیضؔ تخلص اختیار کیا اور فیض احمد فیضؔ کے نام سے مشہور ہوئے۔ فیض کے والد چودھری سلطان محمد اکبر خاں مشہور بیرسٹر تھے۔ انھیں بھی شعر و ادب سے فطری لگاؤ تھا عربی، فارسی اور انگریزی پر غیر معمولی دستگاہ حاصل تھی۔ سلطان محمد خاں کی علمی اور ادبی مرتبت کا اندازہ یوں لگایا جاسکتا ہے کہ علامہ اقبال، عبدالقادر، ڈاکٹر ضیاالدین اور علامہ سلیمان ندوی جیسی شخصیتوں کی صحبت انھیں حاصل تھی۔ ان کی اسی علمی حیثیت سے متاثر ہوکر والئ افغانستان نے انھیں شہزادوں کا اتالیق مقرر کیا۔ ایک مدت تک وہ افغانستان کے انگلستان میں سفیر بھی رہے۔ بعد میں درباری سازشوں کا شکار ہوئے اور باقی زندگی سیال کوٹ

میں بسر کی۔ یہاں وہ بیرسٹری کرتے رہے۔قومی سطح پر بھی سلطان محمد خاں کی بڑی مان دان تھی۔ وہ علیگڑھ مسلم یونیورسٹی کورٹ کے ممتاز رکن، انجمن اسلامیہ سیال کوٹ کے صدر اور انجمن حمایتِ اسلام لاہور کے رکن رہے۔ فیض کی والدہ کا نام سلطان فاطمہ تھا۔فیض کی پانچ بہنیں اور چار بھائی تھے جن میں سے تین بہنوں اور دو بھائیوں کا انتقال فیض کی حیات ہی میں ہوگیا۔فیض انھیں اکثر یاد کرتے تھے۔

فیض کی ابتدائی تعلیم قصبہ ہی کے کتب میں ہوئی۔ چار برس کی عمر ہی سے انہوں نے مولوی ابراہیم کے پاس قرآن شریف حفظ کرنا شروع کر دیا تھا اور سید میر حسن سے انہوں نے عربی اور فارسی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۲۱ء میں فیض کو اسکاچ مشن اسکول، سیال کوٹ میں چوتھی جماعت میں داخلہ ملا۔اسی زمانے سے فیض پڑھنے میں تیز تھے چناچہ ہمیشہ زیادہ نشانات لیتے اور درجہ اول میں کامیاب ہوتے رہے اسکول کے مدرسین کے علاوہ اپنے والد کی تربیت بھی انہیں حاصل رہی۔اسی کا نتیجہ تھا کہ جب وہ دسویں جماعت میں تھے تو اُن کی انگریزی اتنی اچھی ہو چکی تھی کہ اساتذہ بھی حیرت کرتے تھے۔فیض نے ۱۹۲۷ء میں میٹرک کا امتحان درجہ اول میں کامیاب کیا اور ۱۹۲۹ء میں مرے کالج سیال کوٹ سے انٹرمیڈیٹ درجہ اول میں کامیاب ہوئے۔اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے فیض کو لاہور آنا پڑا جہاں انہوں نے گورنمنٹ کالج لاہور سے ۱۹۳۱ء میں بی.اے.اور پھر عربی میں بی.اے.(آنرز) کیا۔اس کے بعد ۱۹۳۳ء میں گورنمنٹ کالج لاہور ہی سے

انہوں نے انگریزی میں ام.اے. کی سند امتیاز کے ساتھ حاصل کی اور ۱۹۳۴ء میں اورنٹیل کالج لاہور سے عربی میں ام.اے. درجہ اول میں کامیاب کیا۔ یہ دراصل فیض کی تعلیمی زندگی کا اختتام تھا۔ فیض کے اساتذہ میں بعض وہ تھے جن سے اقبال نے بھی تلمذ حاصل کیا تھا۔ دیگر اساتذہ میں شاہ پطرس بخاری، صوفی غلام مصطفیٰ تبسم، ڈاکٹر تاثیر، مولانا عبدالمجید سالک، مولانا چراغ حسن حسرت اور پنڈت ہری چند اختر کے نام لئے جاسکتے ہیں۔

فیض نے ۱۹۳۵ء میں یعنی تعلیمی زندگی کے اختتام کے ایک سال بعد اپنی عملی زندگی کا آغاز ام.اے.او. کالج امرتسر میں انگریزی کے لکچرر کی حیثیت سے کیا۔ ۱۹۴۰ء میں وہ لاہور آ گئے اور ہیلی کالج میں انگریزی کے لکچرر مقرر ہوئے۔ فیض نے یہاں کالج کی ملازمت کے ساتھ ساتھ ٹریڈ یونین سرگرمیوں میں بھی حصہ لینا شروع کیا۔

۱۹۴۱ء میں فیض نے ایک انگریز خاتون ایلیس سے شادی کی جو ڈاکٹر تاثیر کی سالی تھیں۔ ایلیس انگلستان سے اپنی بڑی بہن کے گھر لاہور آئی تھیں کہ فیض سے اُن کی ملاقات ہوئی۔ ایلیس نے اسلام قبول کرلیا۔ اُن کا اسلامی نام کلثوم رکھا گیا اور اُن کی فیض سے شادی ہوگئی۔ شیرِ کشمیر شیخ عبداللہ نے فیض کا خطبہ نکاح پڑھا۔ فیض کی اولاد میں دو لڑکیاں ہیں جن کے نام سلیمہ اور منیرہ ہیں۔

اپنی معلومات کی جانچ کیجئے۔ نمونہ جوابات

سوال ۱۔ فیض کی ابتدائی زندگی کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں، لکھئے۔

سوال ۲۔ فیض کی تعلیم ملازمت اور اُن کے شادی کے بارے میں اپنی معلومات قلم بند کیجئے۔

جواب: سوال ۱ اور سوال ۲ کے جواب اکائی 1.2 میں دیکھئے۔

1.2.1 فیض کے حالاتِ زندگی (شادی کے بعد)

یہ دوسری جنگِ عظیم کا زمانہ تھا۔ فسطائی طاقتوں، جرمن، جاپان اور اٹلی نے مل کر برطانیہ اور دوسرے ملکوں پر حملہ کر دیا اور دنیا پر قبضہ کرنے کا منصوبہ بنانے لگیں چناچہ ہٹلر نے روس پر حملہ کر دیا۔ واقعات کی پیشرفت کچھ یوں عمل میں آرہی تھی کہ روس کو شکست ہوئی تو انگلستان کی جان کے لالے بھی پڑ جاتے جس کے نتیجے میں ہندوستان بھی فسطائی طاقتوں کے زیر نگیں آجاتا۔ لہذا ہندوستان بھی انگریزوں کے ساتھ ہوگیا اور ترقی پسند طاقتوں نے انگریزوں کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا۔ اسی زمانہ (۱۹۴۲ء) میں فیض نے لکچرر کی ملازمت سے استعفیٰ دیا اور فوج کے محکمہ تعلیمات میں کیپٹن کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ فوج میں بھی اُن کے ذمہ، شعر و ادب کے ذریعہ فوجیوں کی خدمت تھی۔ فوجی ملازمت کے سلسلے میں فیض لاہور سے دلی آگئے۔ انہوں نے ۱۹۴۳ء میں میجر اور ۱۹۴۴ء میں کرنل کے عہدہ پر ترقی پائی۔

دوسری جنگِ عظیم کے ختم ہوتے ہی ایک نیا فوجی محکمہ قائم کیا گیا جس کا مقصد ہندوستانی فوجیوں کی بغاوتوں کا سامنا کرنا تھا۔ فیض اس محکمہ کے نائب سربراہ اور مشیر مقرر ہوئے لیکن اس محکمہ کی نوعیت اور فیض کی ذمہ داریاں کچھ ایسی تھیں کہ فیض نے اس خدمت کو گوارا نہیں کیا اور ملازمت سے سبکدوشی اختیار کر کے لاہور چلے گئے جہاں وہ پاکستان ٹائمز کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ اس دوران کچھ مدت کے لیے فیض نے انگلستان میں قیام کیا جہاں اُن کا سسرال تھا۔ وہ کراچی میں عبداللہ ہارون کالج کے پرنسپل بھی رہے۔

۱۹۵۱ء سے فیض کے مصائب کا آغاز ہوتا ہے کہ اسی سال ان کو پاکستانی افواج کے چند عہدیداروں کے ہمراہ لیاقت علی خاں کی حکومت کا تختہ الٹنے کی سازش کے الزام میں گرفتار کرلیا گیا۔ فیض کے ساتھ گرفتار ہونے والوں میں ترقی پسند تحریک کے روح رواں سجاد ظہیر بھی تھے جو تقسیم ہند کے عین بعد ترقی پسند تحریک کو منظّم اور مستحکم کرنے کی ذمہ داری لے کر پاکستان گئے تھے۔ یہ مقدمہ ''راولپنڈی سازش کیس'' سے موسوم ہے۔ فیض کا واقعہ یہ ہے کہ اس سلسلے میں وہ بے گناہ تھے انھیں کسی غلط فہمی یا سازش کے تحت گرفتار کیا گیا تھا اس کا خود انھیں بھی پتہ نہیں تھا چنانچہ اس سلسلے میں اُن کا یہ شعر معروف ہے۔

وہ بات سارے فسانے میں جس کا ذکر نہیں
وہ بات اُن کو بہت ناگوار گزری ہے۔

فیض نے چار سال، ایک ماہ اور گیارہ دن قید میں گزارے۔ جن میں تین ماہ انہوں نے قید تنہائی کاٹی ان تین مہینوں میں وہ اپنے دوست احباب، حتیٰ کہ اپنی بیوی اور بچوں سے بھی مل نہیں سکتے تھے۔ انھیں کاغذ اور قلم بھی اپنے ساتھ رکھنے کی اجازت نہیں تھی۔ فیض کی بیشتر نظمیں اسی زمانہ کی یادگار ہیں۔ اُنکے شعری مجموعوں کے نام ''زنداں نامہ'' اور ''دستِ صبا'' ان کی قید کی زندگی کی یادگار ہیں۔ اُن کا یہ مشہور قطعہ بھی اسی قیدِ تنہائی کے دور سے تعلق رکھتا ہے۔

متاعِ لوح و قلم چھن گئی تو کیا غم ہے
کہ خونِ دل میں ڈبولی ہیں انگلیاں میں نے
زباں پہ مہر لگی ہے تو کیا کہ رکھدی ہے
ہر ایک حلقۂ زنجیر میں زباں میں نے

فیض کو اس قید سے ۲۰، اپریل ۱۹۵۵ء کو رہائی ملی۔ دوسری بار ۱۹۵۸ء میں سیفٹی ایکٹ کے تحت انھیں گرفتار کیا گیا اس سے وہ اپریل ۱۹۵۹ء میں رہا ہوئے۔

فیض کا تعلق صحافت سے بھی رہا۔ ۳۹-۱۹۳۸ء تک وہ ماہنامہ ''ادبِ لطیف'' کی ادارت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ۱۹۴۷ء اور ۱۹۵۵ء کے درمیان انہوں نے مختلف رسائل اور اخبارات میں کام کیا جن

میں ''پاکستان ٹائمز'' کے علاوہ جس کا تذکرہ اوپر آچکا ہے روزنامہ ''امروز'' اور ہفت روزہ ''لیل ونہار'' بھی شامل ہیں۔ آگے چل کر فیض بیروت سے شائع ہونے والے افروایشیائی رائٹر فیڈریشن کے جریدہ ''لوٹس'' کے مدیر اعلیٰ بھی رہے۔

فیض کو مختلف ممالک کی سیر وسیاحت کے بھی بے شمار مواقع ملے۔ انہوں نے ایشیاء اور یوروپ کے کئی ممالک کا سفر کیا۔ ۴۹۔۱۹۴۸ء میں انہوں نے سان فرانسسکو، جنیوا کا سفر کیا۔ جولائی ۱۹۶۲ء تا جنوری ۱۹۶۴ء انہوں نے انگلستان، روس، کیوبا، الجیریا، مصر، لبنان اور ہنگری کی سیاحت کی۔ ۱۹۵۸ء میں انہوں نے ایشیاء اور افریقہ کے ادیبوں کی پہلی کانفرنس منعقد تاشقند میں اپنے ملک کی نمائندگی کی۔ فیض کو سویٹ یونین کا سب سے بڑا اعزاز لینن امن انعام دیا گیا۔ اس سلسلے میں بھی انہوں نے روس کا سفر کیا۔ پاکستان کے مرحوم وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کے دستِ راست ہونے کی وجہ سے وہ روس اور چین کے دوروں میں وزیراعظم بھٹو کے مشیر کی حیثیت سے شامل رہے۔ اپنی زندگی کے آخری برسوں میں انتقال سے چند ماہ قبل تک وہ ''لوٹس'' کے مدیر اعلیٰ ہونے کی وجہ سے بیروت میں رہے۔

فیض احمد فیض ترقی پسند تحریک کے سرگرم کارکن تھے۔ ترقی پسند تحریک کے قیام میں اُن کا حصہ رہا۔ اس کی پہلی کانفرنس منعقدہ لکھنو میں انہوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور پنجاب کی نمائندگی کی۔ اس سلسلے میں اُن کی ملاقات جب رشید جہاں، محمود الظفر اور سجاد ظہیر وغیرہ سے ہوئی تو وہ بھی سوشلزم کی طرف مائل ہوئے اور ان کے ساتھ مل کر انہوں نے ریلوے اور ڈاک وتار کے ملازمین کو منظّم کرنے اور ان کو ایک پلیٹ فارم پر لانے میں نمایاں حصہ ادا کیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد وہ ٹریڈ یونین کے صدر ہوئے۔ جنیوا اور سان فرانسسکو میں منعقد ہونے والی آئی. ال. او. کانفرنس میں شرکت کی۔ فیض نے اپنی ملکی اور قومی مسائل کے علاوہ فلسطینی مہاجرین اور افریقی عوام کی تحریکات میں بھی حصہ لیا۔ فیض تقسیمِ ھند کے بعد کئی بار ہندوستان بھی آچکے ہیں۔ ۱۹۷۰ء میں وہ نیشنل بک ٹرسٹ کے اجلاسوں کے سلسلہ میں میسور بھی دو، ایک روز کے لیے آئے ہوئے تھے۔

آخری دنوں میں صحت خراب ہونے کی وجہ سے فیض نے بیروت کی سکونت ترک کر دی اور پاکستان آکر لاہور میں قیام کیا۔ انہیں بلڈ پریشر کی شکایت تھی۔ نومبر ۱۹۸۴ء میں اُن کی طبعیت بگڑنے لگی۔ دو، تین بار خون بھی دیا گیا۔ مگر وقت آچکا تھا۔ ۱۹۸۴ء ہی میں ۲۰، نومبر کو دوپہر ایک بج کر (۲۰) منٹ پر لاہور کے منٹو ہسپتال میں انہوں نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ لاہور

کے ماڈل ٹاؤن کے قبرستان میں جہاں کئی ادیب و شاعر بھی ابدی نیند میں ہیں، فیض کی تدفین عمل میں آئی۔ اُن کی قبر مشہور شاعر حفیظ جالندھری کی قبر کے قریب ہے۔ برِ صغیر میں فیض کی بے پناہ مقبولیت کا اندازہ اس طرح لگایا جا سکتا ہے کہ پاکستان ہی میں نہیں ہندوستان میں بھی اُن کا شدید ماتم کیا گیا۔ اور صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق کے علاوہ ہمارے ملک کے اس وقت کے صدرِ جمہوریہ جناب گیانی ذیل سنگھ نے بھی فیض کے انتقال پر اظہار تعزیت کیا۔

فیض کا پہلا مجموعہ کلام ''نقش فریادی'' ۱۹۴۱ء میں شائع ہو چکا تھا لیکن اُن کی شاعری میں انقلابی آہنگ قید کے زمانے میں پیدا ہوا اور ''دستِ صبا'' کی اشاعت (۱۹۵۲ء) کے بعد اُن کی مقبولیت بامِ عروج پر پہنچ گئی۔ فیض کے اور کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ ''زنداں نامہ'' (۱۹۵۶ء) ''دستِ تہہ سنگ'' (۱۹۶۴ء) ''سرِ وادی سینا'' (۱۹۷۱ء) ''شامِ شہر یاراں'' (۱۹۷۴ء) اور ''مرے دل مرے مسافر'' (۱۹۸۶ء) اُن کے کلیات کی اشاعت بھی عمل میں آچکی ہے۔ ''حرف حرف'' ہندوستان سے شائع ہوا تھا جو بعد میں ''سخن بہار'' کے نام سے لندن اور ''سخن ہائے وفا'' کے نام سے لاہور سے شائع ہوا۔ و نیز ''سارے سخن ہمارے'' کی اشاعت بھی لندن سے ہو چکی ہے۔ فیض کے کلام کے دنیا کی بے شمار زبانوں مثلاً انگریزی، فرانسیسی، روسی، فارسی، عربی، ہنگری، جاپانی، بنگلہ، ھندی، نیپالی اور منگولین وغیرہ میں ترجمے ہو چکے ہیں۔

فیض نے شاعری کے علاوہ نثر پر بھی توجہ دی اور اپنا مقام پیدا کیا۔ اپنی اہلیہ ایلیس کے موسومہ اُن کے خطوط ''صلیبیں مرے دریچے ہیں'' تو ہے ہی اس کے علاوہ ''میزان'' اُن کے تنقیدی مضامین کا مجموعہ ہے۔ علاوہ بریں ''متاع لوح وقلم''، ''ہماری ثقافت''، ''مہ وسال آشنائی'' اور ''سفر نامہ کیوبا'' اُن کی نثری تصانیف ہیں جن کا ہمارے ادب میں اُن کے شعری مجموعوں کی طرح اہم حصہ ہے۔

اپنی معلومات کی جانچ کیجیے۔ نمونہ جوابات

سوال ۳ فیض کی ملازمت اور اُن کی دیگر مصروفیات کا جائزہ لیجیے۔

سوال ۴ فیض کی زندگی کے اہم واقعات تحریر کیجیے۔

جواب: سوال ۳ کا جواب 1.2 میں اور سوال ۴ کا جواب اکائی 1.2 اور 1.2.1 میں دیکھیے۔

1.3 عمومی جائزہ:

فیض احمد فیضؔ ۱۳، فروری ۱۹۱۱ء کو سیال کوٹ کے قصبہ قادر خاں میں پیدا ہوئے اُن کے والد چودھری سلطان محمد خاں اپنے زمانے کے مشہور بیرسٹر تھے۔ انھیں بھی شعروادب سے گہرا لگاؤ تھا اور علامہ اقبال، سر عبدالقادر، ڈاکٹر ضیاء الدین اور علامہ سلیمان ندوی جیسی شخصیات کی صحبت انھیں حاصل تھی۔ فیض کے مزاج پر اُن کے والد کی شعروادب سے دلچسپی کا اثر کافی رہا۔ فیض کی ابتدائی تعلیم قصبہ ہی کے مکتب میں ہوئی۔

چار برس کی عمر ہی سے انھوں نے مولوی ابراہیم کے پاس قرآنِ حکیم حفظ کرنا شروع کردیا تھا اور سید میر حسن سے انہوں نے عربی اور فارسی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ فیض کو ۱۹۲۱ء میں اسکاچ مشن اسکول سیال کوٹ میں چوتھی جماعت میں داخل کیا گیا۔ وہ دسویں جماعت ہی میں تھے کہ اُن کی انگریزی اتنی اچھی ہوچکی تھی کہ اساتذہ بھی حیرت کرتے تھے۔ فیض نے ۱۹۲۷ء میں میٹرک اور ۱۹۲۹ء میں انٹر میڈیٹ کے امتحانات درجہ اول میں کامیاب کیے۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے فیض کو لاہور آنا پڑا جہاں انہوں نے گورنمنٹ کالج لاہور سے ۱۹۳۱ء میں بی.اے.اور پھر عربی میں بی.اے.(آنرز) کیا۔ ۱۹۳۳ء میں انہوں نے گورنمنٹ کالج لاہور ہی سے انگریزی میں ایم.اے. کی سند امتیاز کے ساتھ حاصل کی اور ۱۹۳۴ء میں اورنٹیل کالج لاہور سے عربی میں ایم.اے. درجہ اول میں کامیاب کیا۔ فیض کے اساتذہ میں احمد شاہ پطرس بخاری، صوفی غلام مصطفےٰ تبسم، مولانا عبدالمجید سالک، چراغ حسن حسرت اور پنڈت ہری چند اختر جیسی نامور شخصیتیں شامل تھی۔

فیض نے اپنی عملی زندگی کا آغاز ام۔اے۔او. کالج امرتسر میں انگریزی کے لکچرر کی حیثیت سے کیا۔ یہ ۱۹۳۵ء کی بات ہے ۱۹۴۰ء میں وہ لاہور آ گئے اور ہیلی کالج میں انگریزی کے لکچرر مقرر رہوئے۔ فیض نے یہاں کالج کی ملازمت کے ساتھ ساتھ ٹریڈ یونین کی سرگرمیوں میں حصہ لینا

شروع کیا۔ ان کی شادی ۱۹۴۱ء میں ڈاکٹر تاثیر کی سالی ایلیس سے ہوئی۔ ایلیس نے اسلام قبول کرلیا اور اُن کا اسلامی نام کلثوم رکھا گیا۔ فیض کی اولاد دو لڑکیاں سلیمہ اور منیرہ ہیں۔ یہ دوسری جنگ عظیم کا زمانہ تھا۔ جرمنی، جاپان اور اٹلی نے مل کر برطانیہ اور دوسرے ملکوں پر حملہ کر دیا اور دنیا پر قبضہ کرنے کا منصوبہ بنانے لگے۔ اسی دوران ہٹلر نے روس پر حملہ کر دیا۔ روس کو شکست ہوئی تو انگلستان کی جان کے بھی لالے پڑ جاتے جس کے نتیجے میں ہندوستان بھی فسطائی طاقتوں کے نگیں آ جاتا لہذا ہندوستان نے انگریزوں کا ساتھ دیا اور ہندوستان کی ترقی پسند طاقتوں نے بھی۔ اسی زمانہ میں ۱۹۴۲ء میں فیض نے لکچرر کی ملازمت سے استعفیٰ دیا اور فوج کے محکمہ تعلیمات میں کیپٹن کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ فوج میں بھی اُن کے ذمہ شعر و ادب کے ذریعہ فوجیوں کی خدمت تھی۔ فوجی ملازمت کے سلسلے میں فیض دلی آ گئے اور ۱۹۴۳ء میں میجر اور ۱۹۴۴ء میں کرنل کے عہدہ پر ترقی پائی۔ دوسری جنگِ عظیم کے اختتام پر فوج میں ایک نیا محکمہ قائم کیا گیا جس کا مقصد ہندوستانی فوجیوں کی بغاوتوں کا سامنا کرنا تھا۔ فیض اس محکمہ کے نائب سربراہ اور پھر مشیر مقرر ہوئے لیکن فیض کو یہ ملازمت پسند نہ آئی۔ انہوں نے ملازمت سے سبکدوشی اختیار کر لی اور لاہور چلے گئے جہاں وہ ''پاکستان ٹائمز'' کے ایڈیٹر ہوئے۔ س دوران تھوڑی مدت کے لیے وہ انگلستان گئے۔ بعد ازاں عبداللہ ہارون کالج کے پرنسپل ہوئے۔

۱۹۵۱ء سے فیض کی مصیبتوں کا آغاز ہوتا ہے اسی سال انھیں پاکستانی افواج کے چند عہدہ داروں کے ساتھ لیاقت علی خاں کی حکومت کا تختہ الٹنے کی سازش میں گرفتار کیا گیا۔ یہ مقدمہ ''راول پنڈی سازش کیس'' سے موسوم ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ فیض اس سلسلے میں بے گناہ تھے۔ بہر حال انہوں نے چار سال، ایک ماہ اور گیارہ دن قید میں گزارے جن میں انہوں نے تین ماہ قیدِ تنہائی بھی کاٹی۔ فیض کی بیشتر اہم نظمیں اسی زمانے کی یادگار ہیں۔ اپنی شاعری کے دو مجموعوں ''دست صبا'' اور ''زنداں نامہ'' بھی اُن کی قید کی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔ فیض کو اس قید سے ۲۰، اپریل ۱۹۵۵ء کو رہائی ملی۔ دوسری مرتبہ ۱۹۵۷ء میں سیفٹی ایکٹ کے تحت انھیں گرفتار کیا گیا اس بار یکم اپریل ۱۹۵۹ء میں وہ رہا ہوئے۔

فیض کا تعلق صحافت سے بھی رہا۔ ۳۹۔۱۹۳۸ء تک وہ ماہنامہ ''ادبِ لطیف'' کے رکن رہے۔ ۱۹۴۷ اور ۱۹۵۵ء کے درمیان انہوں نے کئی رسائل اور جرائد کے لئے کام کیا جن میں ''پاکستان ٹائمز''، ''امروز'' اور ''لیل و نہار'' بھی شامل ہیں۔ آگے چل کر فیض بیروت سے شائع ہونے والے ایشیائی رائٹرز فیڈرشن کے جریدہ ''لوٹس'' کے مدیر اعلیٰ بھی رہے۔

فیض کو مختلف ممالک کی سیر و سیاحت کے بھی بے شمار مواقع ملے ۴۹۔۱۹۴۸ میں انہوں نے سان فرانسسکو جنیوا کا سفر کیا۔ جولائی ۱۹۶۲ء تا جنوری ۱۹۶۴ء

انہوں نے انگلستان، روس، کیوبا، الجیریا، مصر، لبنان اور ہنگری کی سیاحت کی ۱۹۵۸ء میں انہوں نے ایشیاء اور افریقہ کے ادیبوں کی پہلی کانفرنس منعقدہ تاشقند میں اپنے ملک کی نمائندگی کی۔ انہوں نے سوویٹ یونین کا سب سے بڑا الجزا زلنین کا انعام دیا گیا اس سلسلے میں انہوں نے روس کا سفر کیا۔ انہوں نے وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کے "مشیر کی حیثیت سے روس اور چین کے دورے بھی کیے۔ زندگی کے آخری برسوں میں انتقال سے چند ماہ قبل تک وہ ''لوٹس'' کے مدیر اعلیٰ ہونے کی وجہ سے بیروت بھی رہے۔

فیض احمد فیضؔ ترقی پسند تحریک کے سرگرم کارکن تھے۔ اس کی پہلی کانفرنس منعقدہ لکھنو میں انہوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ انہوں نے ریلوے اور ڈاک وتار کے ملازمین کو منظّم کرنے اور انھیں ایک پلاٹ فارم پر لانے میں کلیدی حصہ ادا کیا۔ قیام پاکستان کے بعد وہ ٹریڈ یونین کے صدر ہوئے۔ فلسطینی مہاجرین اور افریقی عوام کی تحریکات میں بھی انہوں نے حصہ لیا۔ تقسیم ہند کے بعد کئی بار وہ ہندوستان آچکے ہیں۔ ۱۹۷۰ء میں نیشنل بک ٹرسٹ کے اجلاسوں کے سلسلے میں وہ میسور بھی دو، ایک روز کیے لیئے آچکے ہیں۔

فیض نے اپنی زندگی کے آخری زمانے میں خرابیٔ صحت کی وجہ سے بیروتْ کی سکونت ترک کردی اور پاکستان آکر لاہور قیام کیا۔ نومبر ۱۹۸۴ء

سے اُن کی صحت بگڑنے لگی۔انھیں بلڈ پریشر کی شکایت تھی۔دو،دو،تین تین بار انھیں خون بھی دیا گیا مگر وقت آچکا تھا۔ ۱۹۸۴ء ہی میں ۲۰،نومبر کو دوپہر ایک بج کر (۲۰) منٹ پر لاہور کے منٹو اسپتال میں انہوں نے دائمی اجل کو لبیک کہا۔لاہور کے ماڈل ٹاؤن کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی ان کی قبر مشہور شاعر حفیظ جالندھری کی قبر قریب ہے۔برِصغیر میں فیض کی بے پناہ مقبولیت کا اندازہ اس طرح لگایا جاسکتا ہے کہ پاکستان ہی میں نہیں ہندوستان میں بھی اُن کا شدید ماتم کیا گیا۔اور صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق کے علاوہ ہمارے ملک کے اس وقت کے صدر جمہوریہ جناب گیانی ذیل سنگھ نے بھی فیض کے انتقال پر اظہار تعزیت کیا۔فیض کے کئی شعری مجموعے شائع ہوچکے ہیں ان کے کلام کے ترجمے انگریزی،فرانسیسی، روسی، فارسی،عربی،ہنگری، جاپانی، ہندی، نیپالی اور منگولین زبانوں مین کیے جاچکے ہیں۔نثر میں بھی فیض کی کئی کتابیں ہیں۔

1.4 خلاصہ: اس اکائی میں ہم نے آپ کو فیض احمد فیضؔ کی زندگی کے حالات کے بارے میں واقف کرایا۔آپ کے علم میں آچکا ہے کہ فیض کہاں پیدا ہوئے اور اُن کی زندگی کا ابتدائی زمانہ کیسے گزرا۔آپ اس سے آگاہ ہوچکے ہیں کہ فیض نے کہاں کہاں تعلیم پائی اور انھیں کہاں کہاں

ملازمتیں ملیں اور فیض کب کب گرفتار ہوئے۔ ہم نے آپ کو یہ بھی بتا دیا کہ فیض نے ترقی پسند تحریک میں کتنا حصہ لیا، وہ ملک سے باہر رہے۔ ان کی زندگی کیسے گزری اور فیض کا انتقال کہاں ہوا۔ فیض کی انسان دوستی پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ ہم نے مجموعی جائزہ بھی پیش کیا ہے۔ آپ نے اپنے معلومات کی جانچ بھی کی۔ آخر میں نمونہ امتحانی سوالات بھی دیے گئے ہیں اور فرہنگ کے زیر عنوان مشکل الفاظ کے معنی بھی۔ ہم نے سفارشی کتب کی فہرست بھی دی ہے کہ آپ ان کتابوں کو پڑھتے ہوئے اپنے معلومات میں اضافہ کریں۔

1.5 نمونہ امتحانی سوالات:

۱۔ فیض کا سوانحی خاکہ پیش کیجئے۔

۲۔ فیض کی زندگی کے اہم واقعات پر روشنی ڈالے۔

۳۔ فیض کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں، لکھئے۔

۴۔ فیض کے ملازمتوں اور سیر وسیاحت کے سلسلے میں کہاں کہاں کا سفر کیا؟ لکھئے۔

1.6 فرہنگ:

مردم خیز خطہ	:	وہ مقام جہاں عمدہ، اچھے، لائق اور بہادر آدمی پیدا ہوں۔
عہد ساز	:	زمانہ بنانے والے۔
دست گاہ	:	طاقت، قدرت
اتالیق	:	استاد، معلم
تلمذ	:	شاگرد ہونا
زیرِ نگیں	:	اقتدار میں، ماتحت
سبک دوش	:	فارغ، بری
سکونت	:	بود و باش، ٹھہرنا، قیام
داعیٔ اجل	:	موت کی دعوت دینے والا (مراد) موت کا فرشتہ
ابدی	:	ہمیشہ ہمیشہ کی
آہنگ	:	آواز
علاوہ بریں	:	اس کے علاوہ

1.6 سفارشی کتب

۱۔ صابر دت (مرتبہ) : فیض احمد فیضؔ نمبر ''فن اور شخصیت''

۲۔ خلیق انجم : فیض احمد فیضؔ تنقیدی جائزہ

۳۔ صہبا لکھنوی : ''افکار'' کراچی۔ فیض احمد فیضؔ نمبر

اکائی:۲---- فیض اور ترقی پسند تحریک

ساخت

2.0 اغراض ومقاصد

2.1 تمہید

2.2 فیض اور ترقی پسند تحریک

2.3 عمومی جائزہ

2.4 خلاصہ

2.5 نمونہ امتحانی سوالات

2.6 فرہنگ

2.7 سفارشی کتب

2.0 اغراض ومقاصد:

اس اکائی کو مکمل کر لینے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

☆ ترقی پسند تحریک سے فیض کی وابستگی کے بارے میں جان سکیں

☆ فیض کے ترقی پسند خیالات سے واقفیت حاصل کر سکیں۔

☆ ترقی پسند تحریک کو فیض کی شاعری کی دین کے بارے میں معلومات حاصل کر سکیں اور انھیں اپنے طور پر بیان کر سکیں۔

2.1 تمہید: اس اکائی میں فیض کی ترقی پسند تحریک سے وابستگی کے پس منظر کو اجاگر کیا گیا ہے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ فیض نے ترقی پسند تحریک کے فروغ اور استحکام کے لیے کیا کیا۔ فیض کے ترقی پسند خیالات کیا اور کیسے ہیں اور آپ کے علم میں یہ بات بھی آئے گی کہ فیض نے اپنی شاعری کے ذریعہ ترقی پسند تحریک کو کیا دیا۔

2.2 فیض اور ترقی پسند تحریک: فیض احمد فیضؔ، ترقی پسند تحریک کی ابتداء سے اُس کے ساتھ رہے۔ اگر چہ انہوں نے ترقی پسند تحریک کے آغاز سے قبل ہی شعر گوئی کا آغاز کر دیا تھا اور اپنے حلقہ میں وہ مقبول بھی تھے لیکن مزاج کی نرمی، شرمیلے پن، کم گوئی اور تنہا پسندی کی وجہ سے اُن کا حلقۂ احباب ایسا وسیع نہیں تھا اور صرف جاننے والے ہی اُن کو جانتے تھے۔ ظاہر ہے ایسے لوگوں کی تعداد زیادہ نہیں تھی۔ فیض احمد فیضؔ نے اپنی تعلیم ختم کی اور ایم۔اے۔او. کالج امرتسر میں انگریزی کے لکچرر رہوئے۔ لکچراری کی یہ مدت ۱۹۳۵ء تا ۱۹۴۰ء تھی۔ اسی دوران ترقی پسند تحریک کا آغاز ہوتا ہے اور اس کا پہلا یعنی تاسیسی اجلاس لکھنو میں منعقد کیا گیا۔ ترقی پسند تحریک کی بنیاد ڈالنے کے لیے فضاء کو سازگار بنانے سجاد ظہیر الہ آباد سے امرتسر پہنچتے ہیں۔ انہوں نے محمود انظفر کے یہاں قیام کیا جن کی بیوی رشید جہاں جو کبھی کبھی افسانے لکھ لیا کرتی تھیں، پیشہ کے اعتبار سے ڈاکٹر تھیں۔ رشید جہاں اور

محمود الظفر کے یہاں سجاد ظہیر کے علم میں یہ بات آئی کہ ام۔اے۔او کالج میں انگریزی کے جو نئے لکچرر آئے ہیں وہ فیض ہیں۔ فیض سے ملاقات کو سجاد ظہیر اپنی مشہور کتاب ''روشنائی'' میں غیر متوقع بلکہ غیبی امداد قرار دیتے ہیں۔ اسی روز تیسرے پہر سجاد ظہیر کی فیض سے ملاقات ہوئی لیکن لیے دیے رہنے اور کم گوئی کا یہ عالم تھا کہ فیض نے بہت کم گفتگو کی بلکہ یوں کہئے کہ گفتگو کرنے کا فن فیض کو آتا ہی نہ تھا۔ فیض کے اوروں سے رسم و راہ کا یہ عالم تھا کہ محمود الظفر اور رشید جہاں کو علم ہی نہیں تھا کہ فیض بھی شعر کہتے ہیں۔ بہر کیف کچھ ہو سجاد ظہیر نے اس پہلی ہی ملاقات میں اندازہ لگا لیا کہ فیض ترقی پسند رجحانات کے حامل ہیں اور ان کا اردو اور انگریزی شعراء ادب کا مطالعہ وسیع ہے۔ فیض نے ترقی پسند تحریک کے باضابطہ آغاز سے قبل ہی سجاد ظہیر سے تعاون شروع کر دیا تھا۔ وہ سجاد ظہیر کے ہمراہ لاہور چلے آئے، مختلف افراد سے ملاقات کی جن میں صوفی غلام مصطفےٰ تبسم اور اختر شیرانی وغیرہ شامل ہیں۔ لاہور کو آگے چل کر ترقی پسند تحریک کے ایک اہم مرکز کی جو حیثیت حاصل ہوئی اس میں ان کے خلوص اور مساعی کا بڑا دخل ہے۔ اس کے بعد لکھنو میں جب انجمن ترقی پسند مصنفین کی پہلی کانفرنس منعقد ہوئی تو فیض نے اس میں پنجاب کی انجمن کے نمائندے کے بطور شرکت کی اس کانفرنس کے بعد فیض کا شمار انجمن ترقی پسند مصنفین کے ممتاز افراد میں

ہونے لگا۔ فیض نے اپنے طور پر ملک بھر میں اور خاص طور پر پنجاب میں انجمن ترقی پسند مصنفین کو مضبوط اور مستحکم کرنے، اسکے مقاصد کو عام کرنے، اس کے پیغام کو پھیلانے اور اس کے دائرہ اثر کو وسیع کرنے اور سود مند بنانے کے لیے غیر معمولی حصہ ادا کیا۔ مثلاً یہ کہ لکھنو میں انجمن ترقی پسند مصنفین کی کانفرنس کے بعد فیض کی کوششوں اور رہنمائی سے پنجاب کے ترقی پسند مصنفین نے امرتسر میں اپنی کانفرنس منعقد کی۔ یہ کانفرنس جلیاں والا باغ میں ہوئی اور فیض اس کے مہتمم تھے۔ اس کانفرنس سے شمال مغربی ہندوستان میں انجمن کو اپنی جڑیں مظبوط کرنے کا موقع ملا۔ یہ تو پنجاب کی صوبائی کانفرنس تھی دوسری کانفرنس جو انجمن ترقی پسند مصنفین کے اردو اور ہندی ادیبوں اور شاعروں کی کانفرنس تھی۔ مارچ ۱۹۳۸ء میں الہ آباد میں ہوئی۔ یہ کانفرنس گزشتہ کانفرنس کے مقابلہ میں زیادہ نمائندہ حیثیت رکھتی تھی اور ایک حد وسیع پیمانے پر بھی ہوئی تھی۔ فیض نے انجمن ترقی پسند مصنفین پنجاب کے معتمد کی حیثیت سے اس کانفرنس میں شرکت کی۔ یہ کانفرنس اپنے مقاصد میں کامیاب رہی۔

فیض صرف معتمد یا کارکن کی حیثیت سے انجمن ترقی پسند مصنفین سے وابستہ نہیں تھے بلکہ وہ انجمن سے شدید جذباتی وابستگی رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنی شاعری میں بھی انہی اقدار کو پیش کیا جو ترقی پسند اور انسانیت

دوست تھے۔ فیض نے اتنے سلجھے ہوئے انداز سے اور ایسی خوبی کے ساتھ ان اقدار کو اپنایا کہ نہ وہ تو ہماری تہذیب وتمدن کی بہترین اور اعلیٰ اقدار سے جدا نظر آتی ہیں اور نہ شاعر کی انفرادیت اور اس کا نرم اور مترنم کلام ان سے اجنبی محسوس ہوتا ہے۔ فیض ۱۹۳۱ء سے ۱۹۴۲ء تک اردو کے معروف جریدہ ''ادب لطیف'' کے مدیر رہے انہوں نے انجمن ترقی پسند مصنفین کو استقامت دینے اور اس کو مقبول بنانے میں ''ادب لطیف'' کی ادارت کو پوری طرح کام میں لایا۔ انہوں نے اس جریدہ کے صفحات پر ترقی پسند ادب کے بارے میں مباحث آغاز کیے جن سے ترقی پسندوں کو بڑا فائدہ پہنچا۔ فیض نے اداریے تو خیر لکھے ہی ہیں انہوں نے اپنے طور پر تنقیدی مضامین بھی تحریر کیے۔ فیض کے تنقیدی مضامین کا مجموعہ ''میزان'' ہے جن میں اُن کے اور مضامین کے علاوہ ترقی پسند تنقید پر اُن کا مضمون ترقی پسند تحریک سے اُن کی وابستگی کا ایک اور اظہار ہے۔ اس مضمون میں انہوں نے ترقی پسندی کی افادیت اور اہمیت پر روشنی ڈالی۔ ادارہ مکتبہ اردو سے بھی جو لاہور کا ایک اشاعتی ادارہ تھا ادبی کتابیں شائع ہوئیں ان میں فیض کا بھی حصہ رہا۔ علاوہ بریں فیض کا کلام تو ازابتدا تا انتہا ترقی پسند تحریک اور انجمن ترقی پسند مصنفین کے اصولوں، مقاصد اور دائرہ کار کی تفسیر اور تشریح ہے۔

۱۹۳۹ء میں جب عالگیر جنگ کا آغاز ہوا تو سامراجی طاقتوں نے عوامی تحریکات پر بھی حملہ اور ملک بھر میں بلکہ دنیا کے بیشتر علاقوں میں تباہ کاری

اور جبر وتشدد کی فضاء پیدا کر دی۔ فیض نے اس کے خلاف محاذ بناتے ہوئے اپنی شاعری کو کام میں لایا۔ دیگر شاعروں نے بھی اس کی عکاسی کی لیکن فیض کی اس نظم نے جس کے ابتدائی مصرے ہیں:

بول

بول کہ لب آزاد ہیں تیرے

بول ،زباں اب تک تیری ہے

وطن کی آزادی کیلئے جدوجہد کرنے والوں کو ایک ولولہ اور حوصلہ دیا۔

اسی کے ساتھ فیض کی اور منظومات بھی ہیں جن میں اُن کے ترقی پسند رجحانات کی جھلکیاں ملتی ہیں۔ مثلاً اُن کی نظم ''سیاسی لیڈر کے نام'' ہمارے ملک کے اُن سیاسی قایدین کا کچھا چھٹا ہے جنھوں نے جدوجہد آزادی کی روح کو نہیں سمجھا، خاموش تماشائی بنے رہے اور انگریز سامراج کا ساتھ دیا۔ فیض نے ایسے قائدین کو بروقت خبردار کیا۔ نظم ''سیاسی لیڈر کے نام'' کے آخری دو اشعار۔

تجھ کو منظور نہیں غلبۂ ظلمت لیکن

تجھ کو منظور ہے یہ ہاتھ قلم ہو جائیں

اور مشرق کی کمیں گاہ میں دھڑکتا ہوا دن

رات کی آہنی میت کے تلے دب جائے

فیض کی اس نظم نے اپنے مقصد کے حصول میں کامیابی حاصل کی اور روشن خیال اور محبِّ وطن ذہنوں پر ترقی پسند مصنفین کی انجمن کے اخلاص کو ظاہر کیا اور اُن کا ایک اعتبار پیدا کیا۔

فیض نے مزدور تحریک مین بھی اپنا حصہ ادا کیا۔ وہ اُن ترقی پسندوں میں نہیں تھے جنھوں نے زبانی جمع خرچ سے کام لیا ہو اور مزدورں کے مسائل اور مصائب کا صرف دور سے نظارہ کیا ہو۔ فیض کی ترقی پسندی اور مزدور دوستی کا عملی ثبوت یہ ہے کہ وہ پاکستان کی ٹریڈ یونین تحریک کے بانیوں میں شمار ہوتے ہیں وہ کئی برسوں تک ڈاک وتار کے ملازمین کی انجمن کے صدر رہے۔ اُن کے گھر پر اور بعض اوقات کو ''پاکستان ٹائمز'' کے دفتر پر بھی مزدور کارکنوں کا ہجوم رہتا تھا اور فیض اخبار میں مزدورں کی حمایت میں اداریے لکھا کرتے تھے۔ فیض نے کئی بین الاقوامی کانفرنسوں میں مزدور کی نمائندگی کی مثلاً پاکستان بننے کے فوری بعد انٹرنیشنل لیبر آرگنائیزشن میں شرکت کی غرض انہوں نے امریکہ کا سفر کیا اور انہی کی دوڑ دھوپ کا نتیجہ تھا کہ پاکستان نے آئی۔ ایل۔ او۔ کی بہت سی تجاویز کو منظور کر لیا۔

انجمن ترقی پسند مصنفین کی کل ہند کونسل کی میٹنگ دہلی میں ہوئی تو ملک کے مختلف حصوں سے دس پندرہ لوگ شریک تھے ان میں ڈاکٹر علیم ٹیگور اور اندولال یاگنگ کے ساتھ فیض بھی تھے۔ ترقی پسند مصنفین کی انجمن پر

جب بھی کڑا اور بُرا وقت آیا فیض نے اوروں کے ساتھ مل کر انجمن کی حمایت کی۔ آزادی اور تقسیم ھند سے پہلے کی بات ہے حالات کچھ ایسے پیدا ہوئے کہ ترقی پسند مصنفین کی انجمن کے مخالفین نے محاذ آرائی شدید کر دی اور صورت حال یوں ہوئی کہ مناظرہ کے لیے ایک بڑے جلسہ کا اہتمام کیا گیا۔ انجمن کی مخالفت کرنے کے لیے مشہور ناول نگار اور افسانہ نویس خواجہ محمد شفیع اور ''برہان دہلوی'' کے مدیر قاضی سعید احمد تھے۔ انجمن کا دفاع کرنے کے لیے سجاد ظہیر کے ساتھ فیض کا انتخاب عمل میں آیا۔ صدر کی حیثیت سے سر رضا علی نے تقریر کی اور پھر خواجہ محمد شفیع نے خطاب کیا اس کے بعد فیض کی باری آئی فیض تقریر شروع کرتے ہوئے ہی مسئلہ کی تہہ میں چلے گئے۔ فیض کی تقریر میں جوش، طنز، زور اور حملہ کا انداز بالکل نہیں تھا۔ انہوں نے انتہائی عالمانہ انداز میں اور بڑی متانت سے یہ ثابت کیا کہ ترقی پسند ادب میں کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ سماج میں تبدیلی اور ارتقاء کے ساتھ ادب میں بھی تبدیلی اور ترقی ہوتی ہے اور اس کو روکنے کی کوشش کار فضول ہے۔

فیض نے جون ۱۹۴۲ء تا دسمبر ۱۹۴۶ء فوجی ملازمت کی اس سلسلے میں انھیں دہلی میں بھی رہنا پڑا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ دہلی میں فیض کے علاوہ محمد دین تاثیر، شیو دان سنگھ چوہان، دیوندر ناتھ ستیارتھی اور طفیل احمد خاں جیسے اردو اور ہندی کے ادیب اور شاعر جمع تھے۔ ترقی پسند مصنفین کے جلسے

پابندی سے ہوا کرتے تھے۔ فیض اوروں کی طرح ان جلسوں میں پابندی سے شرکت کرنے والوں میں تھے۔ انہوں نے انجمن کے مقاصد کی تکمیل اور فروغ میں اپنا کردار ادا کیا۔ سچ پوچھئے تو فوجی ملازمت سے سبکدوشی میں فیض کے ترقی پسند رجحانات کا بڑا حصہ رہا ہے۔ فیض کے ذمہ جو خدمات تھیں وہ ایسی کہ فیض ان سے اپنے آپ کو مطمئن نہیں پاتے تھے۔ فیض نے استعفیٰ دیا اور لاہور چلے گئے۔ فیض خواہ کہیں رہے ہوں اور کسی حال میں انہوں نے اپنے ذہن وفکر اور اپنے قلم کی توانائی کو ترقی پسند اقدار اور روایات کا امین رکھا۔ قید و بند کی صعوبتیں گوارا کیں لیکن اپنے اصولوں کا سودا نہیں کیا۔ کہا اور وہی کیا جو انھیں کرنا چاہیئے تھا۔ اسی طرح لکھا جو انھیں لکھنا چاہیئے تھا۔ اس دور میں اُن کے شعری مجموعے ''دست صبا'' اور ''زنداں نامہ'' شائع ہوئے جن کے ہر ہر صفحہ پر اور ہر ہر تخلیق میں ترقی پسندی اپنا جلوہ دکھاتی ہے ۔ان کے پانچویں شعری مجموعہ ''سرِ وادیٔ سینا'' کا انتخاب جن لوگوں کے نام ہے وہ سب مبتلائے رنج ومحن ہیں۔ شاعر اور اس کے رفقاء کا کوئی پرسانِ حال نہیں وہ قتل بھی کردیے جاتے ہیں تو اُن کا خون رائیگاں جاتا ہے۔ فیض نے قومی اور ملکی ہی نہیں بین قومی سطح پر بھی ترقی پسند رجحانات اور طاقتوں کا ساتھ دیا۔ ایرانی طلبہ ہوں یا افریقی عوام، امریکی اتھل اور روزن برگ کا جوڑ ہو یا فلسطینی مظلوم، ویت نام کے مصیبت زدہ ہوں یا افریقہ کے مقہور لوگ،

فیض نے ان سب کو اپنا موضوع بنایا ہے اور اپنے عہد کے درد آشوب کیفیات کو گرفت میں لا کر حالات کو بدل دینے اور رائج الوقت کے نظام کو الٹ دینے کی سعی کی۔ اپنی ان سرگرمیوں، کوششوں اور کاوشوں کی وجہ سے فیض عالمگیر انسان دوستی، سماجی منصفی کے نظام اور استحصال زدہ عوامی قوت کو ابھارنے اور اس پورے پیداوری عمل کو تبدیل کرنے کی آفاقی تحریک میں پیش رو کے طوز پر پہچان لیے گئے تھے۔ فیض اساسی طور پر انسان اور انسانیت پر یقین رکھتے تھے ان کا کہنا تھا کہ حیاتِ انسانی کی جدو جہد کا اجتماعی ادراک اور اس جدوجہد میں حسب توفیق شرکت زندگی کا تقاضہ ہی نہیں، فن کا تقاضہ بھی ہے اور اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ فیض نے اس تقاضے کو پورا کیا۔

فیض نے اپنی زندگی کو ملک و وطن اور انسانیت کی خدمت کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ انہوں نے اپنے ہم وطنوں اور ساری انسانیت کے انسانوں کے لیے امن اور خوشحالی کی فضاء کی تمنا ہی نہیں کی اس کے لیے جستجو بھی کی۔ اُن کی زندگی کا بڑا حصہ اپنے وطن سے باہر گزرا ہی لیکن آخری سات برس تو انہوں نے مشرق وسطیٰ میں گزارے۔ افروایشیائی تنظیم سے تو فیض کے روابط ابتداء سے تھے ۱۹۵۸ء کے موسم خزاں کے بعد انہوں نے تاشقند میں منعقد ہونے والی بین الاقوامی کانفرنس میں شرکت کی افروایشیائی

ادیبوں کی تنظیم اور مجاہدین فلسطین کی مساعی کے باعث فیض کو بیروت میں رہنے کا موقع ملا جہاں وہ افرو ایشیائی ادیبوں کی تنظیم کے ترجمان ''لوٹس'' کے مدیر مقرر ہوئے۔ بیروت کے قیام نے فیض کو فلسطین کی جدوجہد کو قریب سے دیکھنے کے مواقع فراہم کیے۔ انہوں نے اپنے طور پر فلسیطینوں کی جدوجہد میں تھوڑا بہت حصہ بھی ادا کیا۔ قیام بیروت کے زمانے میں فیض نے فلسطین کے بارے میں جو نظمیں لکھیں اُن میں ''ایک ترانہ مجاہدین فلسطین'' کے لیے ایک نغمہ کربلائے بیروت کے لئے ''عشق اپنے مجرموں کو بجولاں لے کے چلا''، فلسطینی بچے کی لوری'' اور'' دو نظمیں فلسطین کے لیے ہیں۔ ''ایک نغمہ کربلائے بیروت کے لیے کا پہلا ہی شعر ہے۔

بیروت ، نگار بزم جہاں
بیروت ، بدیل باغ جِناں

ظاہر ہے یہ ساری شاعری اُن کی ترقی پسندی پر دال ہے۔ فیض خواہ کہیں ہوں انہوں نے ترقی پسند عوامی دوستی اور انسانیت پرستی کی شمعیں جلائے رکھیں۔ انہوں نے ہمیشہ مظلوموں کی حمایت کی، بے زبانوں کی زبان بنے رہے اور امید کے گیت گائے (سحر کی بات، امید

سحر کی بات کرو) انتقال سے کچھ دنوں قبل فیض پاکستان آچکے تھے۔ علالت کے باوجود انہوں نے ملک اور مقصد کو فراموش نہیں کیا۔ جہاں ہوا، جتنا ہوا اور جیسا ہوا انہوں نے ترقی پسندی سے اپنے ربط کو استوار رکھا بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ ترقی پسندی کو سچائی، خلوص اور حقیقت کے ساتھ فیض نے اپنی زندگی بنالیا۔ آج فیض نہ ہوں لیکن اُن کا فن، اُن کا کلام ترقی پسند طاقتوں کے لیے سرچشمہ فیض ہے۔ ہمیشہ ہمیشہ ایک جذبہ، ولولہ، عزم اور حوصلہ دے گا۔ ترقی پسند تحریک کا حال جیسا بھی ہو، فیض کی وجہ سے ترقی پسند تحریک سدا یادرکھی جائے گی۔

اپنی معلومات کی جانچ کیجیے: نمونہ جوابات

سوال ۱۔ ترقی پسند تحریک فروغ اور استحکام میں فیض کی خدمات پر روشنی ڈالیے۔

سوال ۲۔ فیض کے ترقی پسند خیالات کا جائزہ لیجیے۔

سوال ۳۔ ترقی پسند مصنفین کی انجمن کو فیض کی دین پر، ایک مضمون لکھیے۔

جواب ۱، ۲، ۳ کے جوابات اکائی 2.2 میں دیکھیے۔

2.3 عمومی جائزہ: فیض ابتداء سے ترقی پسند تحریک کے ساتھ رہے ہیں۔ فیض نے اپنی تعلیم ختم کی اور ایم۔اے۔او۔ کالج امرتسر میں انگریزی کے لکچرر مقرر ہوئے۔ لکچرر کی یہ مدت ۱۹۳۵ء تا ۱۹۴۰ء تھی اور یہی وہ زمانہ ہے جب ترقی پسند تحریک کا آغاز ہوتا ہے۔ ترقی پسند تحریک کی بنیاد ڈالنے کے لیے فضاء کو سازگار بنانے جب سجاد ظہیر الہ آباد سے امرتسر پہنچے تو وہاں معلوم ہوا کہ ای۔اے۔او۔ کالج میں جو انگریزی کے نئے لکچرر آئے ہیں وہ فیض ہیں۔ فیض سے ملاقات کو سجاد ظہیر نے اپنی معروف کتاب 'روشنائی'' میں غیر متوقع اور غیبی امداد قرار دیا ہے۔ سجاد ظہیر نے پہلی ملاقات میں فیض کی شعری اور ادبی صلاحیتوں کا اندازہ لگالیا اور فیض نے بھی انجمن کے باضابطہ قیام سے قبل ہی سجاد ظہیر سے تعاون شروع کر دیا۔ اس کے بعد جب لکھنو میں انجمن ترقی پسند مصنفین کی پہلی کانفرنس منعقد ہوئی تو فیض نے اس میں پنجاب کے نمائندہ کے بطور شرکت کی۔ اس کانفرنس کے بعد فیض کا شمار انجمن ترقی پسند مصنفین کے کلیدی افراد میں ہونے لگا۔ فیض نے اپنے طور پر ملک بھر میں انجمن ترقی پسند مصنفین کو مستحکم کرنے میں غیر معمولی حصہ ادا کیا چنانچہ لکھنو کے بعد فیض کی کوششوں سے پنجاب کے ترقی پسند مصنفین نے جلیان والا باغ امرتسر میں اپنی کانفرنس منعقد کی۔ فیض اس مہتمم تھے۔ اس کے بعد مارچ ۱۹۳۸ء میں الہ آباد میں کانفرنس میں

منعقد ہوئی۔ فیض نے انجمن ترقی پسند مصنفین پنجاب کے معتمد کی حیثیت سے اس کانفرنس میں شرکت کی۔ فیض انجمن ترقی پسند مصنفین سے شدید اور جذباتی وابستگی رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنی شاعری میں بھی انہی اقدار کو پیش کیا جو ترقی پسندی اور انسان دوستی کے اقدار تھے۔

فیض ۱۹۳۸ء سے ۱۹۴۲ء تک اردو کے معروف ادبی جریدہ ''ادب لطیف'' کے مدیر رہے۔ انہوں نے ترقی پسند مصنفین کی انجمن کو مقبول بنانے میں ''ادبِ لطیف'' کی ادارت کو پورے طور پر کام میں لایا۔ فیض نے اداریئے تو خیر لکھے ہی، انہوں نے اپنے طور پر تنقیدی مضامین بھی شائع کیے۔ فیض نے تنقیدی مضامین بھی تحریر کیے، اُن کے تنقیدی مضامین میں ترقی پسند تنقید پر ان کا مضمون گراں قدر ہے۔ ۱۹۳۹ء میں جب پہلی جنگِ عظیم کا آغاز ہوا تو فیض نے سامراجی قوتوں کے خلاف محاذ بناتے ہوئے اپنی شاعری کو بھی کام میں لایا۔ اور وطن کی آزادی لے لیے جد و جہد کرنے والوں کو ایک نیا ولولہ اور حوصلہ دیا۔ اسی طرح انہوں نے نظم ''سیاسی لیڈر کے نام'' میں سیاسی قایدین کا کچھا کھٹا پیش کیا ہے۔ فیض نے مزدور تحریک میں بھی حصہ ادا کیا وہ پاکستان کی ٹریڈ یونین تحریک کے بانیوں میں شمار ہوتے ہیں۔ وہ ڈاک و تار کے ملازمین کی انجمن کے صدر بھی رہے اور کئی بین الاقوامی کانفرنسوں میں مزدوروں کی نمائندگی کی۔

انجمن ترقی پسند مصنفین کی کل ہند کونسل کی میٹنگ دہلی میں ہوئی فیض نے اس میں شرکت کی۔ انجمن ترقی پسند مصنفین پر جب بھی کڑا اور بُرا وقت فیض نے اس کی مدافعت کی حتٰی کہ انہوں نے مناظروں میں بھی حصہ لیا۔ انہوں نے بتایا کہ ترقی پسندی ادب میں کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ سماج میں تبدیلی اور ارتقاء کے ساتھ ادبیں بھی تبدیلی اور ترقی ہوتی ہے

فیض نے جون ۱۹۴۲ء تا دسمبر ۱۹۴۶ء فواج کی ملازمت کی۔ انھیں دہلی میں بھی رہنا پڑا۔ ان دنوں دہلی میں ترقی پسند تحریک کے جلسے پابندی سے ہوا کرتے تھے فیض نے اُن میں برابر شرکت کی اور انجمن کے مقاصد کی تکمیل اور فروغ میں اپنا حصہ ادا کیا اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں لیکن اپنے اصولوں کا سودا نہیں کیا۔ علاوہ ازیں فیض نےقومی اور ملکی سطح ہی نہیں بین قومی سطح پر بھی ترقی پسند رجحانات اور طاقتوں کا ساتھ دیا۔ ایرانی طلبہ ہوں یا افریقی عوام، امریکی ایتھل اور روزن برگ کا جوڑا ہو یا فلسطینی مظلوم، ویت نام کے مصیبت زدہ ہوں یا افریقہ کے مقہور لوگ، فیض نے ان سب کو اپنا موضوع بنایا۔ فیض کا کہنا تھا کہ حیاتِ انسانی کی جدو جہد کا اجتماعی ادراک اور اس جدو جہد میں حسبِ توفیق شرکت زندگی ہی کا تقاضہ نہیں، فن کا تقاضہ بھی ہے۔ اور اسی میں کوئی شبہہ نہیں کہ فیض نے اس تقاضے کو پورا کیا۔

فیض کی زندگی کا بڑا حصہ وطن سے باہر گزرا۔ خاص طور پر آخری سات برس تو انہوں نے زیادہ تر مشرق وسطٰی میں گزرے۔ ۱۹۵۸ء کے

موسم خزاں کے بعد تاشقند میں ہونے والی بین الاقوامی کانفرنس میں انہوں نے شرکت کی۔فیض کو بیروت میں بھی رہنے کا موقع ملا۔ جہاں وہ افروایشیائی ادیبوں کی تنظیم کے ترجمان ''لوٹس'' کے مدیر تھے۔ انہوں نے اپنے طور پر فلسطین کے عوام کی جدوجہد میں حصہ بھی لیا، کئی نظمیں لکھیں جواُن کی ترقی پسندی پر دال ہیں۔فیض خواہ کہیں ہوں انہوں نے ترقی پسندی عوام دوستی اور انسانیت پر دوستی کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ انہوں نے ہمیشہ مظلوموں کی حمایت کی اور بے زبانوں کی زبان بنے رہے۔ آج فیض نہ ہوں لیکن اُن کا کلام ترقی پسندوں کے لیے سرچشمۂ فیض رہے گا ہمیشہ ایک جذبہ، ولولہ عزم اور حوصلہ دے گا۔ترقی پسند تحریک کا حال جیسا بھی ہو فیض کی وجہ سے ترقی پسند تحریک سدا یاد رکھی جائے گی۔

اپنی معلومات کی جانچ :نمونہ جوابات

سوال ۱ فیض کے ترقی پسند نظریات پر ایک نوٹ لکھئے:۔

سوال ۲ فیض کی ترقی پسند تحریک سے وابستگی کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں لکھئے۔

سوال ۳ فیض نے ترقی پسند تحریک کے استحکام کے لیے کیا کیا لکھئے؟

جواب :سوال ۱، ۲ اور ۳ کے جوابات اکائی 2.2اور 2.3 میں دیکھئے۔

2.4 خلاصہ:

اس اکائی میں ہم نے آپ کو ترقی پسند تحریک سے فیض کی وابستگی کے پس منظر سے واقف کرایا فیض نے کیسے ترقی پسند تحریک کو مظبوط بنانے میں حصہ لیا اور اپنی شاعری کو کس طرح ترقی پسند تحریک کے کام لایا۔ ہم نے آپ کو یہ بھی بتایا کہ فیض نے بین الاقوامی سطح پر کس طرح ترقی پسند رجحانات اور طاقتوں کا ساتھ دیا۔ انہوں نے اپنے مقصد کے اصول کے لیے قید کی زندگی بھی گزاری ۔ آپ اس بھی واقف ہوئے کہ فیض نے مزدور تحریکوں میں بھی حصہ لیا اور ترقی پسند تحریک کے خیالات اور نظریات کو عام کیا۔ ہم نے مجموعی جائزہ بھی پیش کیا کہ آپ اس اکائی کو آسانی سے سمجھ سکیں ۔ آپ نے اپنی معلومات کی جانچ بھی کی ۔ آخر میں نمونہ امتحانی سوالات بھی دیے گئے اور فرہنگ کے تحت نئے الفاظ کے معنی بھی ہم نے سفارشی کتب کی فہرست بھی دی ہے کہ آپ اپنے مطالعہ کو آگے بڑھا سکتے ہیں ۔

2.5 نمونہ امتحانی سوالات:

سوال ۱ فیض اور ترقی پسندی کے بارے میں اپنے خیالات پیش کیجئے ۔

سوال ۲ فیض کو ترقی پسند تحریک میں کس وجہ سے اہمیت حاصل ہے، لکھئے ۔

سوال ۳ فیض نے کن کن طریقوں سے ترقی پسند مصنفین کی انجمن کو مستحکم کیا وضاحت کیجئے ۔

2.6 فرہنگ:

مساعی	:	سعی کی جمع، کوششیں
کلیدی	:	مراد، اہم
سودمند	:	فائدہ مند
استقامت	:	مظبوطی
افادیت	:	فائدہ مندی
جبر وتشدد	:	زبردستی اور زیادتی
عکاسی	:	تصویر کشی
مصائب	:	مصبتیں
مدافعت	:	روک
محاذ آرائی	:	مقابلہ
مناظرہ	:	بحث ومباحثہ
فروغ	:	رونق، چمک دمک
امین	:	امانت رکھنے والا
محن	:	مصیبت، بلائیں
پرسان حال	:	حالت پوچھنے والا
مقہور	:	جن پر قہر ڈھایا جائے

کہنہ	:	پرانا
ادراک	:	عقل، فہم اور سمجھ
ربط	:	تعلق
استوار	:	مظبوط

2.7 سفارشی کتب

۱۔ دیوندر اسر	:	فیض کی شاعری
۲۔ نسیم عباسی	:	نقدِ فیض
۳۔ تاجور سامری	:	فیض کی شاعری پر ایک نظر
۴۔ صابر دت	:	فن اور شخصیت (فیض نمبر)

Course IV Block - 1

اکائی :۳۔ فیض کی شاعری کی اہم خصوصیات

ساخت :

3.0 اغراض ومقاصد

3.1 تمہید

3.2 فیض کی شاعری کی اہم خصوصیات

3.3 عمومی جائزہ

3.4 خلاصہ

3.5 نمونہ امتحانی سوالات

3.6 فرہنگ

3.7 سفارشی کتب

3.0 اغراض ومقاصد: اس اکائی کومکمل کر لینے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

☆ فیض کی شاعری کی اہم خصوصیات

☆ ترقی پسند رجحانات کے حامل ہونے کے باوجود کلاسکیت سے مظبوط رشتے اور

☆ فیض کے لچکدار شعری رویہ کے بارے میں واقف ہوں اور انھیں اپنے طور پر بیان کرسکیں۔

3.1 تمہید: اس اکائی میں فیض کی شاعری کی اہم خصوصیات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ فیض نے کٹر ترقی پسند ہونے کے باوجود جدید رجحانات کو نظر انداز نہیں کیا۔ اسی کے ساتھ انہوں نے کلاسیکل شعر و ادب سے بھی رشتہ برقرار رکھا۔ فیض کے ہاں اگرچہ اردو شاعری کے تقریباً سارے موضوعات اور بیانات ملتے ہیں لیکن اس کے باوجود انہوں نے اپنے شعری اسلوب کی یوں تشکیل کی کہ اُن کی آواز آسانی سے پہچانی جاتی ہے اردو شاعری میں اُن کی عظمت مسلم ہے۔

3.2 فیض کی شاعری کی اہم خصوصیات: فیض کا شمار اس صدی کے بڑے شاعروں میں ہوتا ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اپنے ہم عصروں میں انھیں خاصا امتیازی مقام حاصل ہے۔ فیض کے کلام کی کئی کئی تعبیریں کی گئی ہیں کوئی انھیں کلاسکس اور جدید کا امتزاج قرار دیتا ہے۔ کسی کو اُن کے ہاں رومانی اور انقلابی عناصر ملے جلے نظر آتے ہیں۔ کوئی انھیں صرف ترقی پسند قرار دیتا ہے اور کوئی کچھ اور نہیں بس اچھا اور عظیم شاعر تصور کرتا ہے۔ فیض کی شاعری کی عظمت اسی میں ہے کہ جس رخ سے اس کا مطالعہ کیا جائے تہہ داری اور طرحداری کا احساس ہوتا ہے۔ فیض نے اپنے آپ کو کسی ایک خانہ میں بند نہیں رکھا۔ وہ مزاج کے اعتبار سے سچے ترقی پسند تھے لیکن ترقی پسندی کی محدود اصطلاح سے

انہوں نے اپنی شخصیت کو بھی دور رکھا اور اپنی شاعری کو بھی۔ ترقی پسندی کو فیض کی شاعری نے ایک نیا مفہوم دیدیا۔ فیض کے ہاں انقلاب اور احتجاج کی آواز گمبھیر اور گرجدار ملتی ہے لیکن فیض کے خمیر میں رومانیت بھی ہے۔ فیض نے ہر چند کہ اپنی غزلوں میں رومانیت کو زیادہ اور نظموں میں انقلاب کو خاطر خواہ جگہ دی لیکن اُن کی بیشتر غزلیں اور نظمیں ایسی ہیں جن میں رومان اور انقلاب ایک دوسرے کے ہم قدم، مقدم اور ہم آہنگ ہیں۔ یہی حال اُن کے ہاں کلاسکت اور جدیدیت کا بھی ہے۔ انہوں نے دونوں میلانات کو اپنی شاعری میں یکجا کر دیا ہے متوازن اور معتدل انداز میں۔ پھر خاص بات یہ ہیکہ فیض کے ہاں اُن کی شخصیت اور شاعری ایک دوسرے میں مدغم اور ایک دوسرے کی تکمیل ہیں۔ فیض کی شاعری کا خواب گوں انداز، رعنائی لہجہ، مناسب اور ڈھلے ڈھلائے الفاظ، اچھوتی اور نادر ترکیبیں، ان کی شخصیت کی نرمی اور مٹھاس سے یوں مل گئے ہیں کہ پڑھنے والوں پر ایک سحر کارانہ کیفیت چھا جاتی ہے۔ فیض کے ہاں غالب، اقبال، اختر شیرانی اور یہاں وہاں داغؔ کا اثر بھی مل جاتا ہے لیکن ایسا نہیں ہوا جبکہ فیض نے کہیں اور کسی موڑ پر ان میں سے کسی شاعر کی تقلید کی ہو۔ وہ تھوڑی دیر ہر ایک کے ساتھ چلے ہوں لیکن انہوں نے جلد ہی اپنی راہ نکال لی۔ اُن کا لہجہ نہایت آسانی کے ساتھ پہچانا جاسکتا ہے۔ فیض اپنے طور پر اپنی منزل کی سمت رواں

ہے۔ اپنے طور پر تلاش و جستجو کرتے ہوئے فیض کی شاعری کا روایت سے انسلاک ہے لیکن اس امر کی اہمیت ہے کہ فیض نے ہماری شعری روایات میں عوامی مزاج کو شامل کر دیا ہے۔ فیض کے ہاں ہجر و وصال کے روایتی موضوعات ملتے ہیں لیکن فیض نے عام لوگوں کی بے بسی اور محرومی کو اپنے طور پر محسوس کیا اور روایتی اور روایتی شاعری کے ہجر و وصال کے ان سے باہم طور پر ہم آہنگ کیا کہ اُن کی شاعری اپنے اطراف و اکناف اور اپنے معاشرہ کے جدو جہد، یاس و امید اور شکست و فتح کی تصویر اور تعبیر بن جاتی ہے۔ ان کے ہاں کبھی امید اور کبھی ناامیدی ملتی ہے۔ دھوپ چھاؤں اور اندھیرے اجالے کی کیفیت لئے ہوئے۔ ان کا شعر ہے

پہلے بھی خزاں میں باغ اجڑے پر یوں نہیں جیسے اب کے برس
سارے بوٹے، پتہ پتہ، روش روش برباد ہوئے

قابل توجہ بات یہ ہے کہ آگے چل کر فیض کے یہاں غم ذات پر غم دوراں فتح پا جاتا ہے وہ اپنے دکھ درد گویا بھول جاتے ہیں اور زمانے کے غموں پر توجہ مرکوز ہو جاتی ہے۔ یہ شعر سنئے۔

اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا
راحتیں اور بھی ہیں وصل کی راحت کی سوا

یہاں فیض کی ذات پس منظر میں چلی جاتی ہے اور انسانیت کا رنج وغم اپنا لیتے ہیں۔ فیض کی شاعری کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اُن کے یہاں انسان دوستی، سماجی شعور اور تاریخی بصیرت ملتی ہے۔ علاوہ بریں فیض انسان کی ذات اور فرد کی شخصیت کی نفی نہیں کرتے بلکہ انھیں خارجی حالات سے منسلک کر دیتے ہیں۔ اُن کے نزدیک آزادی کی جدوجہد، خود انسانی تصور کی تکمیل کے لئے ضروری ہے۔ کیونکہ انسان کی جدوجہد وقتی ہوتے ہوئے بھی آفاقی ہے۔ دراصل فیض کی شاعری کا مرکزی خیال ہی انسان دوستی ہے۔ اگر فیض کے مزاج کے اس پہلو کو سمجھ لیا جائے تو اُن کی شاعری کے اور پہلوؤں کی تفہیم ہو سکتی ہے۔ انسان دوستی کے تصور کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ آج بہت سے لوگ اس نوع کی باتیں کرتے ہیں۔ بعض رسمی طور پر، بعض روایتی انداز میں اور بعض مصلحت کا شکار ہو کر۔ لیکن فیض کا انسان دوستی کا تصور کسی بھی مصلحت سے ماوارء ہے وہ تو اُن کے تصورِ حیات کا جزو ہے۔ فیض کی یہی انسان دوستی ہے جو اُن سے ایسے اشعار کہلواتی ہے۔

دل سے پیہم خیال کہتا ہے
اتنی شیریں ہے زندگی اس پل
ظلم کا زہر گھولنے والے
کامراں ہوسکیں گے آج نہ کل
جلوہ گاہِ وصال کی شمعیں
وہ بجھا بھی چکے اگر تو کیا
چاند کو گُل کریں تو ہم جانیں

فیض کی انسان دوستی ، ملک و ملت اور رنگ کے تعصّبات سے پاک ہے۔ انسان کا خون جہاں کہیں بھی بہا ہے۔ فیض تڑپ اٹھے ہیں۔ وہ صرف اپنے وطن کے مظلوم اور مجبور عوام ہی سے پیار نہیں کرتے ، اپنے ہم مسلک افراد کی بے بسی ہی سے انھیں وابستگی نہیں ہے بلکہ وہ وطن کی آزادی پر قربان ہونے والے ایرانی طلبہ سے بھی پیار کرتے ہیں۔ وہ افریقی حریت پسندوں سے بھی یگانیت رکھتے ہیں۔ ایتھل اور روزن برگ کی بے گناہی پر بھی ملول خاطر ہیں۔ یہ اشعار دیکھئے، اُن کی انسان دوستی کیسی چکا چوند محسوس ہوتی ہے ۔

تیرے ہونٹوں کے پھولوں کی چاہت میں ہم
دار کی خشک ٹہنی پہ وارے گئے
تیرے ہاتھوں کی شمعوں کی حسرت میں ہم
نیم تاریک راہوں میں مارے گئے

فیض کی شاعری کا ایک اور پہلو رومانیت ہے۔ ''نقش فریادی'' میں رومانی عناصر کا عمل دخل زیادہ محسوس ہوتا ہے لیکن اس سے قطع نظر بھی فیض کے یہاں رونی عناصر یہاں وہاں ملتے ہیں۔فیض کے یہاں غزلوں میں یہ کیفیت کچھ زیادہ ہی ہے کیونکہ غزل کا ڈکشن اس آسانی سے متحمل ہوسکتا ہے۔ البتہ نظم میں صناعی اور کاریگری سے کام لینا پڑتا ہے ۔فیض نے خوبصورت الفاظ، غنایئت اور مختصر بحروں کو کام لاتے ہوئے اپنی رومانی نظموں میں ایک جادو سا جگا دیا ہے۔اُن کی رومانیت ''اے حبیب عنبر دست'' منظر ''موضوع سخن'' مرے ہمدم مرے دوست ''مری جاں اب بھی اپنا حسن واپس پھیر دے مجھ کو'' سرور شبانہ'' خداوہ وقت نہ لائے'' چند روز اور میری جان'' اور ایک ''منظر'' جیسی کئی نظموں میں کھل کر سامنے آتی ہے۔ یہ ملاخطہ ہو

رسیلے ہونٹ، معصومانہ پیشانی، حسین آنکھیں
کہ میں اک بار پھر رنگینوں میں غرق ہو جاؤں
مری ہستی کو تری اک نظر آغوش میں لے لے

(حسینۂ خیال سے)

فیض کی رومانیت پر کوئی مریضانہ کیفیت چھائی نہیں ملتی بلکہ وہ ایک صحت مند، توانا اور پُر وقار انداز سے بات کرتے ہیں ۔ اس قطعہ سے اندازہ ہوگا۔

ترا جمال نگاہوں میں لے کے اٹھا ہوں
نکھر گئی ہے فضاء تیرے پیرہن کی سی
نسیم تیرے شبستاں سے ہو کے آئی ہے
مری سحر میں مہک ہے ترے بدن کی سی

فیض کی شاعری کی ایک اور خصوصیت تشبیہات، استعارات، علامات اور کنایات کا استعمال ہے۔ اردو شاعری میں یہ چیزیں نئی نہیں اور نہ ترقی پسند شاعروں کے پاس۔ لیکن فیض کی امتیازی حیثیت یہ ہے کہ انہوں نے روایتی تشبیہات، استعارت، علامات اور کنایات کو عصری تقاضوں کی روشنی میں استعمال کیا ہے۔ بالخصوص اپنے ملک کے سیاسی پس منظر، منظر اور پیش منظر کو واضح کرنے میں فیض نے جس کامیابی اور عمدگی کے ساتھ تشبیہات وغیرہ کا استعمال کیا ہے اور وہ ان کے ذریعہ جس خوبصورتی کے ذریعہ اپنے مافی الضمیر کو ادا کرتے ہیں، ایسا بلا مبالغہ کسی ترقی پسند شاعر کے پاس نہیں۔ یہی چیز فیض کو صرف ترقی پسند شاعروں میں نہیں اپنے سارے ہم عصروں میں ممیّز کرتی ہے۔ فیض نے

مثلاً رنگ، خوشبو، حسن اور خوبی کے جو استعارے استعمال کئے ہیں وہ اُن کی وطن دوستی سے انسلاک رکھتے ہیں۔ وہ اپنے دل کو جراتِ قاتل سے بخشوالانے کا حوصلہ تو رکھتے ہیں لیکن اُسے سیاست چارہ گراں کی نذر ہونے سے بچا نہیں سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ ذرّوں کو زبان دینا، بند کلی کو گویائی پر مجبور کرنا اور خاموشی کو اذنِ گفتگو دینا اُن کی شاعری کا مذہب قرار پاتا ہے۔ فیض کی نظموں اور غزلوں سے ایسے بے شمار اشعار پیش کئے جاسکتے ہیں۔ اُن کی مشہور نظم ''صبح آزادی کا پہلا مصرعہ ہے'' ؎

یہ داغ داغ اجالا یہ شب گزیدہ سحر

جس کے رمزی اشارے اور کنایے احتجاج کی دبی دبی لے بن جاتے ہیں یا اُن کا یہ شعر ؎

دستِ صیاد بھی عاجز ہے کفِ گلچیں بھی
بوئے گُل ٹھہری نہ بلبل کی زباں ٹھہری ہے

فیض کے مزاج میں نرمی، خنکی، منکسر المزاجی، ٹھنڈک اور دل آسانی کی کفیات ملتی ہے۔ بات یہ بھی ہے کہ یہی اُن کی شاعری کی خصوصیات بھی ہیں۔ فیض نے سیاسی شاعری کی، احتجاج کیا، انقلاب کو للکارا اور اپنے باغیانہ رجحانات کا اظہار کیا اُن کے موضوعات بھی ایسے ہی ہیں۔ ظاہر ہے ایسی شاعری گونج گرج، دھوم دھام اور بلند آہنگ کی

حامل ہوتی ہے۔ایسے شاعر بالعموم نعرہ بازی سے کام لیتے ہیں بلکہ خود کئی ترقی پسند شاعروں کے یہاں بلند آہنگی اور نعرہ بازی ہے۔لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اِن وجوہ سے اُن کی شاعری کی عظمت گھٹ جاتی ہے۔
فیض کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ انہوں نے کہیں بھی گونج گرج، پُرشکوہ لہجہ اور نعرہ بازی سے کام نہیں لیا۔اُن کا اسلوب غنائیت سے بھرپور اور تغزل سے لبریز ہے۔وہ انتہائی دھیمے لہجہ میں بات کرتے ہیں اُن کے یہاں ایک دل موہ لینے والی کیفیت ملتی ہے، ایک اپنائیت ہوتی ہے۔ایسا معلوم ہوتا ہے شاعر آپ کے سامنے بول نہیں رہا ہے بلکہ آپ کی ذات کا حصہ بن کر آپ کے درون اور وجود سے اس کی آواز آرہی ہے۔فیض کی مقبولیت میں ان کے اس لہجہ اور دلنشیں انداز کا بڑا حصہ ہے۔سادگی، گھلاوٹ اور حالات کے ساتھ وہ شعر کو دلآویز اور پُرتاثیر بنادیتے ہیں۔نظم ''دعا'' کی ابتداء کیسے ٹھنڈے اور دل آسانی کے انداز میں ہوتی ہے۔

آیئے ہاتھ اٹھائیں ہم بھی
ہم جنھیں رسم و دعا یاد نہیں
ہم جنھیں سوزِ محبت کے سوا
کوئی بت، کوئی خدا یاد نہیں

آیئے ، عرض گزاریں کہ نگاہ ہستی
زہر امروز میں شہر نئی فرد بھردے
وہ جنھیں تابِ گرانبارئی ایام نہیں
ان کی پلکوں پہ شب وروز کو ہلکا کردے

اورغزلوں سے بھی دو تین اشعار جن کے اسلوب میں یہی رنگ یہی خوشبو ہے۔

ہم نے دل میں سجا لئے گلشن
جب بہاروں نے بے رخی کی ہے
ہمیں سے اپنی نوا ہمکلام ہوتی رہی
یہ تیغ اپنے لہو میں بنام ہوتی رہی
ہم ایسے سادہ دلوں کی نیاز مندی سے
بتوں نے کی ہے جہاں میں خدائیاں کیا کیا

فیض کی شاعری کی ایک اور خصوصیت جس کا ابتدائی سطور میں تذکرہ کیا جاچکا ہے یہ ہے کہ انہوں نے کلاسکیت اور رومانیت کو ایک جان دوقالب بنادیا ہے۔ اس کے اسباب ہیں، فیض نے نہ صرف ہمارے کلاسیکی شاعروں غالب ، سودا اور نظیر اکبر آبادی وغیرہ کا گہرا مطالعہ کیا بلکہ فارسی اور عربی کی کلاسیکی شاعری کا بھی اُن کا مطالعہ خاطر خواہ تھا اور انگریزی کی کلاسیکی شاعری پر بھی ان کی نگاہ تھی ۔ کلاسیکت

دراصل ایک نئی ظابطہ اور مزاج ہوتی ہے۔ یہی حال رومانیت کا بھی ہے۔فیض نے ان دونوں کو اختیار ہی نہیں کیا بلکہ ان دونوں کو اپنے مزاج کا حصہ بنالیا، اپنی شخصیت بنالیا۔کلاسیکی شاعری صرف موضوعات مواد، الفاظ، اسلوب اور ڈکشن سے نہیں ہوتی بلکہ ان سب کے خوبصورت اور متوازن امتزاج کی مرہون منت ہوتی ہے۔بعض شاعر اپنی عظمت اور برگزیدگی کا اظہار کرنے کے لیے کلاسکیت کو اختیار کرتے ہیں لیکن ایسے مواقع پر کلاسیکت عموماً مذاق بن جاتی ہے۔فیض اُن شاعروں میں ہیں جنھوں نے نہ صرف کلاسیکت سے اخذ و استفادہ کیا بلکہ اس کو اپنے مزاج کا حصہ بنالیا اس کو برتا اور آزمایا۔اس لیے اُن کے ہاں کلاسکیت نکھری، نکھری ہے، اوڑھی ہوئی نہیں بلکہ اُن کی شاعری کی اساس بن کر۔ یہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

پھر حشر کے ساماں ہوئے ایوان ہوس میں
بیٹھے ہیں ذوی العدل، گنہگار کھڑے ہیں
ہاں جرم وفا دیکھیئے، کس کس پہ ہو ثابت
وہ سارے خطاکار، سر دار کھڑے ہیں

یا یہ اشعار

آج بازار میں پا بہ جولاں چلو
چشمِ نم، جانِ شوریدہ کافی نہیں
تہمتِ عشق پوشیدہ کافی نہیں
آج بازار میں پا بہ جولاں چلو

ان کے علاوہ اور کئی نظموں اور غزلوں سے کئی اشعار دیئے جا سکتے ہیں جن سے فیض کے کلاسیکی مزاج کی نشاندہی ہوتی ہے۔ یہ تو فیض کی شاعری کا ایک مختصر سا جائزہ تھا۔ فیض کی شاعری کا سرمایہ ایسا زیادہ نہ سہی لیکن اپنے سیاق وسباق کے اعتبار سے فیض کی شاعری خاصی گرانمایہ ہے۔ معنوی طور پر کئی جہات رکھتی ہے۔ اس کا کئی زاویوں سے جائزہ لیا جاسکتا ہے۔ سیاسی پس منظر میں فیض کی شاعری اپنا مفہوم رکھتی ہے تو ایسے افراد کے لیے جو ادبی طور پر لطف اندوز ہونا چاہتے ہیں فیض کی شاعری میں خاصی دلکشی ملے گی۔ اس کے علاوہ بھی فیض کی شاعری کے کئی پہلو ہیں۔ ایک عظیم شاعر کی پہچان یہ بھی ہوتی ہے۔ اور یہ فیض کی شاعری کی خصوصیت بھی ہے اور فیض کی عظمت کا اظہار بھی۔

اپنی معلومات کی جانچ کیجئے: نمونہ جوابات۔

سوال ۱ فیض کی شاعری کی خصوصیات کا جائزہ لیجئے۔

سوال ۲ فیض کی شاعرانہ مرتبت پر روشنی ڈالیے۔

جواب: سوال ۱ اور سوال ۲ کے جوابات 3.2 میں دیکھئے۔

3.3 عمومی جائزہ: فیض احمد فیضؔ بلاشبہ، اس صدی کے بڑے شاعروں میں شمار ہوتے ہیں۔ فیض مزاج کے اعتبار سے سچے ترقی پسند تھے لیکن ترقی پسندی کی محدود اصطلاح سے انہوں نے اپنی شخصیت کو بھی دور رکھا اور اپنی شاعری کو بھی۔ ترقی پسندی کو فیض کی شاعری نے ایک نیا مفہوم دے دیا۔ فیض کے ہاں انقلاب اور احتجاج کی آواز گمبھیر اور گونجدار ملتی ہے لیکن فیض کے خمیر میں رومانیت بھی ہے۔ فیض نے ہر چند کہ اپنی غزلوں میں رومانیت کو زیادہ اور نظموں میں انقلاب کو خاطر خواہ جگہ دی لیکن اُن کی بیشتر نظمیں اور غزلیں ایسی ہیں جن میں رومان اور انقلاب ایک دوسرے کے ہم دوش، ہم قدم اور ہم آہنگ ہیں۔ یہی حال اُن کے ہاں کلاسکیت اور عصریت کا بھی ہے ان کی شاعری ان دونوں کا متوازن اور معتدل امتزاج ہے۔ فیض کی شاعری کا خواب گوں انداز، غنائی لہجہ، مناسب اور ڈھلے ڈھلائے الفاظ، اچھوتی اور نادر ترکیبیں ان کی شخصیت کی نرمی اور مٹھاس سے یوں مل گئے ہیں کہ پڑھنے والوں پر ایک سحر کارانہ کیفیت چھا جاتی ہے۔ اسی طرح فیض کی شاعری کا روایت سے انسلاک ہے لیکن اس امر کی اہمیت ہے کہ فیض نے ہماری شعری روایات میں عوامی مزاج کو شامل کر دیا ہے۔ فیض کے ہاں ہجر و وصال کے روایتی موضوعات ملتے ہیں لیکن فیض نے عام لوگوں

کی بے بسی اور محرومی کو اپنے طور پر محسوس کیا اور روایتی شاعری کے ہجر و وصال کے موضوعات کو ان سے یا یں طور پر آہنگ کیا کہ ان کی شاعری اپنے اطراف و اکناف اور اپنے معاشرہ کے جدو جہد، یاس و امید اور شکست و فتح کی تصویر اور تعبیر بن جاتی ہے۔ قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ آگے چل کر فیض کے یہاں غم ذات پر غم دوراں فتح پا جاتا ہے۔ وہ اپنے دکھ درد کو گویا بھول جاتے ہیں اور زمانے کے غموں پر توجہ مرکوز ہو جاتی ہے۔ یہ شعر ملاحظہ ہو:

اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا
راحتیں اور بھی ہیں وصل کی راحت کے سوا

یہاں فیض کی ذات پس منظر میں چلی جاتی ہے اور انسانیت کے رنج و غم کو وہ اپنا لیتے ہیں۔ فیض کی شاعری کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اُن کے یہاں انسان دوستی، سماجی شعور اور تاریخی بصیرت ملتی ہے۔ فیض انسان کی ذات اور فرد کی شخصیت کی نفی نہیں کرتے بلکہ انھیں خارجی حالات سے منسلک کر دیتے ہیں ان کے نزدیک آزادی کی جدو جہد، خود انسانی تصور کی تکمیل کے لیے ضروری ہے۔ دراصل فیض کی شاعری کا مرکزی خیال ہی انسان دوستی ہے اور یہی انسان دوستی ہے جو اُن سے ایسے اشعار کہلواتی ہے۔

دل سے پیہم خیال کہتا ہے
اتنی شیریں ہے زندگی اس پل
ظلم کا زہر گھولنے والے
جلوہ گاہِ وصال کی شمعیں
وہ بجھا بھی چکے اگر تو کیا
چاند کو گل کریں تو ہم جانیں

فیض کی انسان دوستی، ملک وملت اور رنگ ونسل کے تعصّبات سے پاک ہے وہ افریقی حریت پسندوں سے یگانیت رکھتے ہیں اور ایتھل اور روزن برگ کی بے گناہی پر بھی ملول خاطر ہیں۔فیض کے کلام میں ایسے کئی اشعار اور کئی نظمیں مل جاتی ہیں جہاں انہوں نے انسانیت اور صرف انسانیت سے پیار کیا ہے۔

فیض کی شاعری کا ایک اور پہلو رومانیت ہے۔ان کے مجموعہ کلام ''نقش فریادی'' میں رومانی عناصر کا عمل دخل زیادہ ہے۔فیض نے خوبصورت الفاظ، غنائیت اور مختصر بحروں کو کام میں لاتے ہوئے اپنی رومانی نظموں میں ایک جادو سا جگا دیا ہے۔اُن کی رومانیت ''اے، حبیب عنبر دست'' ''منظر'' ''موضوع سخن'' ''میرے ہمدم میرے دوست'' ''مری جاں اب بھی اپنا حسن واپس پھیر دے مجھ کو'' ''سرودِ شبانہ'' خدا وہ وقت نہ لائے''

''چند روز اور مری جان'' اور ایک منظر جیسی کئی نظموں میں کھل کر سامنے آتی ہے۔ یہ بند ملاحظہ ہو۔

رسیلے ہونٹ ، معصومانہ پیشانی، حسین آنکھیں
کہ میں اک بار پھر رنگینوں میں غرق ہو جاؤں
مری ہستی کو تیری اک نظر آغوش میں لے لے

فیض کی شاعری کی ایک اور خصوصیت تشبیہات ، استعارات ، علامات اور کنایات کا استعمال ہے وہ روایتی تشبیہات وغیرہ کو بھی اپنے ملک کے سیاسی پس منظر منظر اور پس منظر میں اور عصری تقاضوں کی روشنی میں استعمال کرتے ہیں۔ یہی چیز فیض کو صرف ترقی پسند شاعروں میں نہیں اپنے سارے ہم عصروں میں ممتاز کرتی ہے۔ان کی معروف نظم ''صبح آزادی'' کا پہلا مصرعہ ہے۔

یہ داغ داغ اُجالا یہ شب گزیدہ سحر

جس کے رمزی اشارے اور کنایے احتجاج کی دبی دبی لے بن جاتی ہے یا اُن کا یہ شعر

دستِ صیاد بھی عاجز ہے، کفِ گلچیں بھی
بوئے گل ٹھہری نہ بلبل کی زباں ٹھہری ہے

فیض کے مزاج میں نرمی، خنکی، منکسر المزاجی ، ٹھنڈک اور دل آسائی کی کیفیات ملتی ہیں بات یہ بھی ہے کہ اُن کی شاعری کی خصوصیات

بھی ہیں۔فیض نے سیاسی شاعری کی، احتجاج کیا، انقلاب کو للکارا اور اپنے باغیانہ رجحانات کا اظہار کیا لیکن کہیں بھی گونج گرج، پرشکوہ لہجہ، اور نعرہ بازی سے کام نہیں لیا۔ان کا اسلوب غنائیت سے بھرپور اور تغزل سے لبریز ہے۔فیض کی مقبولیت میں اُن کے اس لہجہ اور دلنشیں انداز کا بڑا حصہ ہے۔سادگی، گھلاوٹ اور حلاوت کو کام میں لاتے ہوئے شعر کو دلآویز اور پُر تاثیر بنا دیتے ہیں۔نظم ''دعا'' کی ابتداء ملاخطہ ہو کے جب تک اور دل آسائی کے انداز میں ہوتی ہے۔

آیئے ، ہاتھ اٹھائیں ہم بھی
ہم جنھیں رسم ِ دعا یاد نہیں
ہم جنھیں سوزِ محبت کے سوا
کوئی بُت، کوئی خدا یاد نہیں
آیئے ، عرض گزاریں کہ نگارِ ہستی
زہر امروز میں شیرینی فردا بھر دے
وہ جنھیں تاب ِ گرانبارئی ایام نہیں
ان کی پلکوں پہ شب وروز کو ہلکا کر دے

اور غزلوں سے بھی دو، تین اشعار جن کے اسلوب میں یہی رنگ یہی خوشبو ہے۔

ہم نے دل میں سجا لیے گلشن
جب بہاروں نے بے رخی کی ہے
ہم ایسے سادہ دلوں کی نیازمندی سے بتوں
نے کی ہیں جہاں میں خدائیاں کیا کیا

فیض کی شاعری کی ایک اور خصوصیت اُن کے ہاں کلاسکیت اور رومانیت کو ایک جان اور قالب بنا دیا ہے اس ۔کے اسباب ہیں ۔فیض نے نہ صرف ہمارے کلاسیکی شاعروں غالب، سودا اور نظیر اکبر آبادی کا بغائر مطالعہ کیا بلکہ فارسی کی کلاسیکی شاعر سے بھی استفادہ کیا اور انگریزی کی کلاسیکل شاعری پر بھی اُن کی نظر رہی ہے ۔یہی حال رومانیت کا بھی ہے ۔فیض نے ان دونوں کو اپنے مزاج کا جزو بنا لیا ۔اس لیے اُن کے ہاں کلاسکیت نکھری نکھری ہے، اوڑھی ہوئی نہیں بلکہ ان کی شاعری کی اساس بن کر ۔یہاں صرف ایک قطعہ پیش ہے ۔

آج بازار میں پا بہ جولان چلو
چشم نم، جانِ شوریدہ کافی نہیں
تہمت عشقِ پوشیدہ کافی نہیں
آج بازار میں پا بہ جولان چلو

ان کے علاوہ اور کئی نظموں اور غزلوں سے کئی اشعار دیئے جا سکتے ہیں ۔اس کے علاوہ بھی فیض کی شاعری کے اور کئی پہلو ہیں ۔ایک عظیم شاعر کی پہچان یہ بھی ہوسکتی ہے اور یہ فیض کی شاعری کی خصوصیت بھی ہے ۔اور اُن کی عظمت کا اظہار بھی ۔

اپنی معلومات کی جانچ: نمونہ جوابات

سوال ۱ فیض کی شاعری کے چند اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالئے۔

سوال ۲ فیض کی شاعرانہ عظمت کے اسباب لکھئے۔

جواب: سوال ۱ اور سوال ۲ کے جوابات 3.3 میں دیکھئے۔

3.4 خلاصہ: اس اکائی میں ہم نے آپ کو فیض کی شاعری کی خصوصیات سے واقف کرایا۔ آپ یہ جان چکے ہیں کہ فیض کے یہاں انقلابی کیفیات بھی ہیں اور رومانیت کی چاشنی بھی۔ انہوں نے کلاسیکیت سے بھی کام لیا اور عصری حسیت سے بھی۔ فیض کے کلام میں تشبیہات، استعارات اور علامات وغیرہ بھی، آپ کو معلوم ہے کہ فیض نے اخذ کیا ان کو کلاسیکی شاعری سے لیکن اُن کو عصری تقاضوں کے مطابق استعمال کیا۔ اسی کے ساتھ آپ کے علم میں یہ بات بھی آئی کہ فیض کے لہجہ کی نغمگی، دھیما پن اور حلاوت نے ان کے کلام کی مقبولیت میں بڑا حصہ ادا کیا۔ اس اکائی میں عمومی جائزہ بھی پیش کیا گیا ہے آپ نے معلومات کی جانچ بھی کی۔ آخر میں نمونہ امتحانی سوالات بھی دیے گئے ہیں۔ فرہنگ میں مشکل الفاظ اور اُن کے معنی ہیں۔ ہم نے سفارشی کتب کی فہرست بھی دی ہے تا کہ ان کتابوں کے مطالعہ سے آپ فیض کے بارے میں مزید جان سکیں گے۔

3.5 نمونہ امتحانی سوالات

سوال ۱ فیض کی شاعری کی اہم خصوصیات پر روشنی ڈالیے؟

سوال ۲ ''فیض کی شاعری انقلاب اور رومان کا امتزاج ہے'' اپنے خیالات کا اظہار کیجئے؟

سوال ۳ فیض کی شاعری کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں، لکھئے؟

3.6 فرہنگ:

امتزاج	:	ملانا، آمیزش
گمبھیر	:	گہری
خمیر	:	فطرت مزاج
مدغم	:	ملے ہوئے
غنائی	:	موسیقیت کا
سحرکارانہ	:	جادوئی
تقلید	:	نقل، پیروی
انسلاک	:	منسلک، ملا ہوا

آفاقی	:	عالمی
نوع	:	طرح
حریت پسند	:	آزادی پسند
ملول	:	رنجیدہ، افسردہ
مامی الضمیر	:	جو دل میں ہو
برعکس	:	مختلف، الٹا
برگزیدگی	:	بزرگی
سیاق و سباق	:	ربط مضمون کے اعتبار سے

3.7 سفارشی کتب

1. خلیق انجم : (مرتبہ) فیض احمد فیض
2. صہبا لکھنوی : افکار کراچی، فیض نمبر
3. تاجور سامری : فیض کی شاعری پر ایک نظر

Course IV Block-1 Unit-4

اکائی:۴۔فیض کی غزل گوئی

ساخت:

4.0 اغراض ومقاصد

4.1 تمہید

4.2 فیض کی غزل گوئی

4.3 عمومی جائزہ

4.4 خلاصہ

4.5 نمونہ امتحانی سوالات

4.6 فرہنگ

4.7 سفارشی کتب

4.0 اغراض ومقاصد: اس اکائی کومکمل کر لینے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

☆ فیض کی ذغزل گوئی کے بارے میں معلومات حاصل کریں

☆ فیض کی غزل میں جو لطافت اور نرمی ہے اس کا جائزہ لیں۔

☆ اردو غزل میں فیض کے مقام سے واقف ہوں اور اُسے اپنے طور پر بیان کرسکیں۔

4.1 تمہید: اس اکائی میں فیض کی غزل گوئی کا سیر حاصل جائزہ لیا گیا ہے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ فیض نے نظموں کی طرح بہت زیادہ غزلیں بھی کہی ہیں اور اگر چہ انہوں نے کلاسیکل اور روایتی تشبیاہت، استعارات اور علامات وغیرہ ہی استعمال کیے ہیں لیکن اُن کو اپنے دور کی معاشرت اور سیاست سے یوں ہم آہنگ کر دیا ہے کہ کہیں اجنبیت کا احساس نہیں ہوتا۔ اور پھر اُن کی غزلوں میں شیرینی بھی ہے اور حلاوت بھی۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کی نظموں کی طرح اُن کی غزلوں کو بھی مقبولیت حاصل ہے۔

4.2 فیض کی غزل گوئی: غزل، اردو شاعری کی سدا بہار صنف اور ہے کوئی شاعر ایسا نہیں جس نے غزل نہیں کہی ہو اور خالص غزل گو شاعروں کا تو شمار ہی نہیں کیا جا سکتا۔ غزل کی اس مقبولیت کے باوصف واقعہ یہ بھی ہے کہ غزل کی وقتاً فوقتاً مخالفت بھی ہوتی رہی۔ ترقی پسند تحریک نے اپنے ابتدائی دور میں غزل کے خلاف تو ایک محاذ ہی بنا لیا تھا۔ لیکن مقام حیرت یہ ہے کہ یہ محاذ برقرار نہیں رہ سکا اور خود کئی ترقی پسند شاعروں نے اعلیٰ درجے کی اور دلنواز غزلیں کہیں۔ فیض اُن ترقی پسند شاعروں میں شمار ہوتے ہیں جنھوں نے غزل کے تعلق سے کبھی بھی معاندانہ رویہ اختیار نہیں کیا۔ انہوں نے غزلیں کہیں اور ٹوٹ کر کہیں، غزلوں کے رنگ میں کہیں، تغزل سے بھرپور۔

فیض دراصل اُن شاعروں میں ہیں جن کا رشتہ اردو کی شعوری روایات سے گہرا اور مستحکم ہے، ترقی پسند تحریک کے بعض شاعروں نے روایات کا مذاق اڑایا، ماضی کی تضحیک کی اور اپنے انداز اور انفرادیت کی تشکیل کے شوق میں اردو کے وقیع شعری سرمایہ کو درخورِ اعتنا متصور نہیں کیا۔ فیض ایسے شاعروں میں نہیں رہے۔ ترقی پسند تحریک سے اپنی بے پناہ وابستگی اور جذباتی انسلاک کے باوجود انہوں نے اردو شعری سرمایہ اور اپنے ورثہ کو اہم جانا، اس کا گہرا مطالعہ کیا اور اسی کے ساتھ فارسی کے شعری سرمایہ کو بھی نظر میں رکھا اور مجموعی طور پر ان سے مناسب اور معقول انداز میں استفادہ کیا۔ جہاں تک اردو غزل کا تعلق ہے غزل کی روح اور روایات فیض کی غزلوں میں بولتی ہوئی ملتی ہیں۔ انہوں نے فارسی الفاظ، استعارات اور اشارات سے پورا فائدہ اٹھایا ہے۔ الفاظ کی نشست و برخاست اور مصرعوں کے دروبست سے انداز ہوتا ہے جبکہ فیض اردو غزل کے سرمایہ پر کیسی گہری نظر رکھتے ہیں اسی کے ساتھ یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ روایت سے استفادہ کے باوصف، فیض کی غزل روایتی نہیں، و نیز فارسی شاعری سے متاثر ہونے کے باوجود اُن پر فارسیت کا الزام عاید نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے کہ فیض نے روایات کو اپنے عصر سے ہم آہنگ اور اپنے مزاج کے مطابق بنالیا ہے۔

اسی کے ساتھ اُن کی فارسیت، اردو کے محل اور ماحول سے مطابقت رکھتی ہے۔ وہ فارسی الفاظ وغیرہ کا استعمال کرتے ہوں لیکن وہ بنیادی طور پر ہی نہیں مجموعی طور پر بھی غزل کو اردو کے تہذیبی اور لسانی پس منظر اور اردو کے عوامی کردار سے ہم قدم رکھتے ہیں۔ اس خصوص میں چند اشعار سے اندازہ ہوگا۔

دل رہین نیاز ہوجائے
بے کسی کار ساز ہوجائے

نہیں جاتی متاعِ لعل و گوہر کی گراں یابی
متاعِ غیرتِ ایمان کی ارزانی نہیں جاتی

پھر لوٹا ہے خورشید جہاں تاب سفر سے
پھر نورِ سحر دست و گریباں ہے سحر سے

کرے کوئی تیغ کا نظارہ اب اُن کو یہ بھی نہیں گوارا
بضد ہے قاتل کہ جان بسمل فگار ہو جسم و تن سے پہلے

شرحِ فراق مدحِ لبِ مشکبو کریں
غربت کدے میں کس سے تری گفتگو کریں

یہ موسمِ گُل گرچہ طربِ خیز بہت ہے
احوالِ گُل لالہ غم انگیز بہت ہے

فیض کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اُن کی شاعری رومانیت اور انقلاب کا امتزاج ہے۔ واقعہ بھی یہی ہیکہ فیض اپنے مزاج کے اعتبار سے رومانی ہیں اور اُن کا مقصد حیاتِ انقلاب تھا۔ اُن کی نظموں میں بھی ،لیکن خاص طور پر اُن کی غزلوں میں اُن کی شاعری کے یہ دونوں پہلو بہ حسن و کمال جھلکتے ہیں۔ فیض نے انقلاب کی راہوں کو نہایت رومانی انداز میں طے کیا ہے۔ یوں بھی موضوع خواہ کیسا ہی ہو، زندگی کے خواہ کڑے کوس کی بات ہو، فیض کے پاس ایک دھیما پن، خنکی اور ایک شبنمی لہجہ ملتا ہے۔ سب سے پہلے تو ان کی رومانی موضوعات والی شاعری کو لیجئے۔ فیض نے محبت کی ہے اور وہ محبوب کو نہایت اعلیٰ مقام دیتے ہیں۔ محبوب کے لب و رخسار خال وقد اور چشم و زلف کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کے اسلوب پر ایک سرشاری طاری ہوتی ہے۔ یہ اردو شاعری کی روایات سے استفادہ کا فیضان ہیکہ اُن کے اس نوع کے اشعار بھی انفرادیت لئے ہوئے ہیں۔ ملاخطہ ہو۔

تیرے در تک پہنچ کے لوٹ آئے
عشق کی آبرو ڈبو بیٹھے

آج اُن کی نظر میں کچھ ہم نے
سب کی نظریں بچا کے دیکھ لیا

نگاہ و دل کو قرار کیسا ، نشاطِ غم میں کمی کہاں
وہ جب ملے ہیں تو اُن سے ہر بار کی ہے الفت نئے سرے سے

رنگ پیراہن کا خوشبو زلف لہرانے کا نام
موسمِ گل ہے تمہارے بام پر آنے کا نام

جب تجھے یاد کرلیا صبح مہک مہک اٹھی
جب تیرا غم جگالیا رات مچل مچل گئی

اور فیض، جب غزل میں انقلاب کی بات کرتے ہیں تو انقلاب کا رنگ بھی نکھر جاتا ہے اور کچھ غزل بھی سنور جاتی ہے۔ فیض نے ماقبل اور مابعد آزادی بھی عوامی جدوجہد میں عملاً حصہ لیا۔ استحصال کرنے والے سیاستدانوں، عوام دشمنوں حکمرانوں اور سرمایہ داروں کے خلاف وہ ہمیشہ نبرد آزما رہے۔ انہوں نے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ فیض، اردو کے معدودے چند شاعروں میں ہیں جن کی زندگی کا قابل لحاظ حصہ پس دیوارِ زنداں گزرا۔ بالخصوص ''دست صبا'' اور'' زنداں نامہ'' کا کلام انہی سلاخوں کے پیچھے کی زندگی کی یادگار ہے۔ فیض نے حس ومحبت کے نغمے بھی گائے۔ فیض نے حسن ومحبت کے گانے گائے لیکن جب وہ وطن کی آزادی اور خوشحالی اور امنِ عالم کی بات کرتے ہیں تو اُن کے لہجے میں خوشگواری اور دلنوازی آجاتی ہے اور کمال یہ ہے کہ ان موضوعات کو جن کو بظاہر غزل کے موضوعات نہیں سمجھا جاتا، نہایت ہنرمندی کے ساتھ غزل کا پیراہن دیدیا ہے۔ غزل کی زبان مئیں، شعریت سے بھرپور اسلوب! یہ اشعار کیسے پُرکشش ہیں۔

دنیا نے تیری یاد سے بےگانہ کردیا   تجھ سے بھی دلفریب ہیں غم روزگار
ہاں تلخیٔ ایام ابھی اور بڑھے گی   ہاں اہل ستم مشقِ ستم اور کریں گے

ستم کی رسمیں بہت تھیں لیکن نہ تھیں تری انجمن سے پہلے
سزا خطائے نظر سے پہلے، عتاب جرمِ سخن سے پہلے
کرو کجے جبیں پہ سر کفن، مرے قاتلوں کو گماں نہ ہو
کہ غرورِ عشق کا بانکپن، پسِ مرگ ہم نے بھلا دیا

ترقی پسند شاعروں نے اگرچہ واضح اور راست بیان پر زور دیا تاکہ عوام سے فوراً ربط پیدا ہو سکے لیکن فیض نے یہاں بھی اپنی راہ نکال لی اور غزل کی روایت کو ترجیح دی یعنی تشبیہات اور استعارات سے بھی کام لیا اور اشارات اور کنایت سے بھی۔ جیسا کہ ان کا ایک شعر ہے۔

فیض فرہاد و بات کرو	جان جائیں جاننے والے

چنانچہ فیض نے فرہاد و جم کی بات اس طرح کی کہ جاننے والے جان گئے۔ تاہم فیض کے یہاں ابہام نہیں۔ اُن کی خواہ تشبیہات ہوں یا استعارات یا اُن کا اشاریتی انداز وہ صاف ستھرے طریقہ سے بات کرتے ہیں۔ ان تشبیہات وغیرہ سے اُن کی غزلوں کا حسن نکھر جاتا ہے اور معنوی طور پر بھی اشعار میں وسعت و گہرائی اور تہہ داری پیدا ہو جاتی ہے۔ ترقی پسند شاعروں میں فیض کی یہ انفرادیت ہے۔ چند اشعار پیش ہیں۔

دل میں اب یوں ترے بھولے ہوئے غم آتے ہیں
جیسے بچھڑے ہوئے کعبے میں صنم آتے ہیں
یوں بہار آئی ہے اس بار کہ جیسے قاصد
کوچۂ یار سے بے نیل و مرام آتا ہے

صحن گلشن میں بہر مشتاقاں　　ہر روش کھنچ گئی کماں کی طرح
پھر لہو سے ہر ایک کاسۂ داغ　　پُر ہوا جامِ ارغوان کی طرح
یاد آیا جنونِ گُم گشتہ　　بے طلب قرضِ دوستاں کی طرح

اور یہ چند اشعار جن کی اشاریت متوجہ کرتی ہے۔ اس سلسلے میں یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ ذیل کے اشعار فیض نے منٹگمری جیل میں کہے ہیں۔ اسی دور میں فیض کے ذاتی اور اُن کے ملک کے واقعات کے پس منظر میں ان کا جائزہ لیجیے۔

شیخ صاحب سے رسم وراہ نہ کی　　شکر ہے زندگی تباہ نہ کی
شاخ پر خونِ گُل رواں ہے وہی　　شوخیٔ رنگِ گلستاں ہے وہی
برق سو بار گر کے خاک ہوئی　　رونقِ خاکِ آشیاں ہے وہی

قفس اداس ہے یارو صبا سے کچھ تو کہو
کہیں تو بہرِ خدا آج ذکرِ یار چلے

اوراب اشاریت ہی کے ضمن میں اُن کی غزلوں سے چنداشعار، جوخنکی، نرمی اور مہک ہی کے حاصل نہیں، شدت تاز، میں بھی بے مثال ہیں۔

نوائے مرغ کو کہتے ہیں اب زبانِ چمن
کھلے نہ پھول، اسے انتظام کہتے ہیں
ابھی بادباں کوتہہ رکھو، ابھی مضطرب ہے رخ ہوا
کسی راستے میں ہے منتظر، وہ سکوں جوآ کے چلا گیا
دستِ صیاد بھی عاجز ہے کفِ گلچیں بھی
بُوئے گل ٹھہری نہ بُلبل کی زبان ٹھہری ہے

فیض عملی زندگی سے اس قدر قریب رہے کہ ان کا کلام صرف اُن کے محسوسات اور مشاہدات کا آئینہ دار نہیں اُن کے تجربات، اُن کی کوشش وکاوش اورقومی زندگی میں اُن کا جدوجہد کا ترجمان بھی ہے۔ فیض نے اپنے ڈرائینگ روم میں یاعوام سے دوررہ کر شاعری نہیں کی بلکہ وہ تو عصری زندگی کا حصہ بنے رہے اور جو بھی خوب وخراب گزرتی رہی، جن پیچ وخم سے اُن کا سامنا رہااورجن سیاہ وسپید سے وہ نبردآزما رہے۔ اُن کوانہوں نے رقم کردیااوراپنے پیرایہ اوراپنے اسلوب میں فیض کی عصری حسیت، یوں بھی نہایت شدید تھی۔انہوں نے اپنی ذات

کو اپنے معاشرہ اور عوامی زندگی کا جزو لا نفک بنا دیا۔ چنانچہ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ فیض کی شاعری، اُن کے دور کی تہذیبی، سیاسی اور معاشرتی زندگی کی تفسیر اور تشریح ہے۔ انہوں نے یہ زبانِ غزل، دل موہ لینے والے انداز میں پیش کر دیا۔ کچھ ایسے اشعار بھی۔

ہر اک قدم اجل تھا، ہر اک گام زندگی
ہم گھوم پھر کہ کوچہ ٔ قاتل سے آئے ہیں
ادھر تقاضے ہیں مصلحت کے، اُدھر تقاضۂ دردِ دل ہے
زبان سنبھالیں کہ دل سنبھالیں اسیر

دل نا امید تو نہیں نا کام ہی تو ہے   لمبی ہے غم کی شام مگر شام ہی تو ہے
ہاں جان کے زیاں کی ہم کو بھی تشویش ہے لیکن کیا کیجئے
جو رہ اُدھر کو جاتی ہے، مقتل سے گزر کر جاتی ہے
تو سُنی گئی ہماری، یوں پھرے دن کہ پھر سے
وہی گوشہ ٔ قفس ہے، وہی فصلِ گل کا ماتم

فیض کے شعری مجموعے اگرچہ سات آٹھ ہیں لیکن مختصر مختصر سے۔ مجموعی طور پر ان کا شعری سرمایہ کچھ ایسا زیادہ نہیں اور جہاں تک غزلوں کا تعلق ہے یہ نسبتاً اور کم ہیں۔ فیض کی غزلوں کی جملہ تعداد (۹۱) ہے۔ ''نقش فریادی'' میں (۱۲) ''دستِ صبا'' میں (۱۷) ''زنداں نامہ''

میں (۱۵) ''دستِ تہہ سنگ'' میں (۱۱) سرِ وادیٔ سینا'' میں (۷) شامِ شہر یاراں'' میں (۱۰) ''مرے دل مرے مسافر'' میں (۱۰) اور ''غبار ایام'' میں (۹) لیکن کمیت میں کم ہونے کے باوجود فیض کی غزل کیفیت کے زاویہ سے خاصی اور بھر پور ہے۔ فیض کے ہاں زبان و بیان کی خامیاں بھی ملتی ہیں۔ اس کے باوجود اُن کی شاعرانہ عظمت اپنی جگہ ہے جس کا اعتراف اُن کے اپنے نہیں پرائے بھی کرتے ہیں۔ فیض کی شاعرانہ مرتبت میں اُن کی منظومات کا بڑا حصہ ہے۔ ہر چند کہ اُن کی شخصیت کی تعمیر اور تشکیل میں اُن کے سیاسی نظریات، اُن کی قید و بند کی زندگی، اُن کی فوجی اور صحافتی خدمات کا بھی حصہ رہا ہے لیکن اُن کی غزلوں نے اُن کی شخصیت اور مرتبت کی تزئین میں جو حصہ ادا کیا ہے اس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ کلاسکیت اور عصریت کا جتنا خوبصورت اور وقیع امتزاج فیض کی غزلوں میں ملتا ہے اتنا شاید ہی کسی ترقی پسند شاعر کے یہاں ملتا ہو چنانچہ فیض کی غزل جہاں ترقی پسند تحریک کا گرانبہا حصہ ہے عصری شاعری میں بھی اس کی قدر و قیمت بہت اونچی ہے اور اُن کے بعد کی نسل کے شاعروں پر اُن کی غزل کا اثر بھی زیادہ ہے۔ فیض کی غزل سے وابستگی کا اندازہ، اُن کی ایک غزل کے مقطع سے بھی کیا جاسکتا ہے۔

بھیگی ہے رات فیضؔ غزل کی ابتدا کرو

وقت سرود، درد کا ہنگامہ ہی تو ہے

اپنی معلومات کی جانچ کیجئے۔نمونہ جوابات

سوال ۱ فیض کی غزلوں کے چند اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالیے۔

سوال ۲ فیض کی غزل کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیجئے

سوال ۳ وہ کیا خوبیاں ہیں جن کی وجہ سے فیض کی غزل کو مقبولیت حاصل ہے۔

جواب: سوال ۱، ۲ اور ۳ کے جوابات 4.2 میں دیکھئے۔

4.3 عمومی جائزہ: ترقی پسند تحریک سے اپنی بے پناہ وابستگی اور جذباتی انسلاک کے باوجود فیض اُن شاعروں میں ہیں جنھوں نے اردو کے شعری سرمایہ اور اپنے ورثہ کو اہم جانا۔اسی کے ساتھ فارسی کے شعوری سرمایہ پر بھی نظر رکھی اور ان سے مناسب اور معقول استفادہ کیا۔ جہاں تک اردو غزل کا تعلق ہے غزل کی روح اور روایات فیض کی غزلوں میں بولتی ہوئی ملتی ہیں۔فیض نے روایات کو اپنے عصر اور اپنے مزاج سے ہم آہنگ کیا۔اسی کے ساتھ اُن کی فارسیت اردو کے محل اور ماحول سے مطابقت رکھتی ہے وہ فارسی الفاظ کا استعمال کرتے ہوں لیکن بحیثیت مجموعی وہ اپنی غزل کو اردو کے لسانی اور تہذیبی پس منظر اور اردو کے عوامی کردار سے ہم قدم رکھتے ہیں۔

ان اشعار سے اندازہ ہوگا۔

پھر لوٹا ہے خورشید جہاں تاب سفر سے
پھر نورِ سحر دستِ و گریباں ہے سحر سے
یہ موسم گُل گر چہ طرب خیز بہت ہے
احوالِ گُل و لالہ نجم انگیز بہت ہے
کرے کوئی تیغ کا نظارہ، اب اُن کو یہ بھی نہیں گوارہ
بضد ہے قاتل کہ جانِ بسمل فگار ہو جسم وتن سے پہلے

فیض کی شاعری رومانیت اور انقلاب کا امتزاج ہے اور اُن کی غزلوں میں یہ دونوں پہلو بہ حسن و کمال جھلکتے ہیں۔ فیض نے انقلاب کی راہوں کو نہایت رومانی انداز میں طے کیا ہے۔ ان کے پاس خنکی، دھیما پن اور ایک شبنمی لہجہ ملتا ہے کہ پڑھتے ہوئے قاری جھوم جائے یہ دو اشعار

رنگ پیراہن کا، خوشبو زلف لہرانے کا نام
موسم گل ہے تمہارے بام پر آنے کا نام
جب تجھے یاد کرلیا صبح مہک مہک اٹھی
جب تیرا غم جگالیا رات مچل مچل گئی

اور فیض، غزل میں جب انقلاب کی بات کرتے ہیں تو انقلاب کا رنگ بھی نکھر جاتا ہے اور کچھ غزل بھی سنور جاتی ہے۔ وطن کی آزادی،

خوشحالی اور امنِ عالم کی بات کرتے ہیں تو اُن کے لہجہ میں شگفتگی اور دلنوازی آجاتی ہے اور کمال یہ ہے کہ فیض نے ایسے موضوعات کو جن کو بہ ظاہر غزل کے موضوعات نہیں سمجھا جاتا نہایت ہنرمندی کے ساتھ غزل کا پیراہن دیدیا ہے۔ غزل کی زبان میں، شعریت سے بھرپور اسلوب، یہ اشعار کیسے پرکشش ہیں۔

ستم کی رسمیں بہت تھیں لیکن نہ تھیں تری انجمن سے پہلے
سزا خطائے نظر سے پہلے، عتاب جرمِ سخن سے پہلے
کرو کج جبیں پر سرِ کفن، مرے قاتلوں کو گماں نہ ہو
کہ غرورِ عشق کا بانکپن، پسِ مرگ ہم نے بھلا دیا

ترقی پسند شاعروں نے اگرچہ واضح اور راست بیان پر زور دیا ہے تا کہ عوام سے فوراً ربط پیدا ہو لیکن فیض نے یہاں بھی اپنی راہ نکال لی اور غزل کی روایات کو ترجیح دیتے ہوئے تشبیہات اور استعارات سے کام لیا۔ جیسا کہ فیض ہی کا شعر ہے۔

فیض فرہاد جم کی بات کرو جان جائیں گے جاننے والے

چنا چہ فیض نے فرہاد و جم کی بات ایسے کی کہ جاننے والے جان گئے تاہم فیض کے یہاں الہام نہیں۔ اُن کے ہاں تشبیہات وغیرہ کے استعمال سے معنویت میں گہرائی اور حسن پیدا ہوتا ہے۔ یہ اشعار ہیں

دل میں اب یوں ترے بھولے ہوئے غم آتے ہیں
جیسے بچھڑے ہوئے کعبہ میں صنم آتے ہیں
یوں بہار آئی ہے اس بار کہ جیسے قاصد
کوچۂ یار سے بے نیل ومرام آیا ہے

اور یہ چند اشعار جن کی اشاریت متوجہ کرتی ہے۔ اس سلسلے میں یہ عرض کردینا ضروری ہے کہ ذیل کے اشعار فیض نے منٹگمری جیل میں کہے۔ اُس دور میں فیض کے ذاتی اور اُن کے ملک کے واقعات کے پس منظر میں ملاخطہ ہوں۔

شیخ صاحب سے رسم وراہ نہ کی　　　شکر ہے زندگی تباہ نہ کی
شاخ پرخونِ گل رواں ہے وہی　　　شوخیٔ رنگِ گلستاں ہے وہی

فیض عملی زندگی سے اس قدر قریب رہے کہ اُن کا کلام اُن کے صرف جذبات واحساسات کا آئینہ دارنہیں قومی زندگی میں اُن کی جدو جہد کا ترجمان بھی ہے۔ چناچہ فیض جن پیچ وخم سے گزرے اور جن حالات سے نبرد آزمار ہے اُن سب کو اپنے کلام میں پیش کردیا۔ اگر یہ کہا جائے تو نے جانہ ہوگا کہ فیض کی شاعری اُن کے دور کی تہذیبی، سیاسی اور معاشرتی زندگی کی تعبیر اور تشریح ہے۔

فیض کی شاعری کے مجموعے اگر چہ سات آٹھ ہیں لیکن مختصر مختصر سے۔ مجموعی طور پر اُن کا شعری سرمایہ کچھ ایسا زیادہ نہیں اور جہاں تک غزلوں کا تعلق ہے یہ نسبتاً اور کم ہیں۔ فیض کی غزلوں کی جملہ تعداد (۹۱) ہے۔ ''نقشِ فریادی'' میں (۱۲) ''دستِ صبا'' میں (۱۷) ''زنداں نامہ'' میں (۱۵) ''دستِ تہہ سنگ'' میں (۱۱) ''سروادیٔ سینا'' میں (۷) ''شامِ شہر یاراں'' میں (۱۰) اور ''غبارِ ایام'' میں (۹) لیکن کمیت میں کم ہونے کے باوجود فیض کی غزل کیفیت کے زاویہ سے خاص اور بھر پور ہے۔ فیض کے پاس زبان و بیان کی خامیاں بھی ہیں اس کے باوجود ان کی شاعرانہ حیثیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ فیض کی شاعرانہ مرتبت میں ان کی منظومات کا بڑا حصہ ہے لیکن اُن کی غزلوں نے اُن کی شخصیت اور مرتبت کی تزئین میں جو کردار ادا کیا ہے اس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ کلاسکیت اور عصریت کا جتنا خوبصورت امتزاج ہے فیض کی غزلوں میں ملتا ہے۔ اتنا شاید کسی ترقی پسند شاعر کے یہاں ملتا ہو چناچہ فیض کی غزل ترقی پسند ادب کا گراں مایہ حصہ ہے اور مجموعی طور پر اردو غزل میں بھی اُن کی شناخت آسانی سے کی جاسکتی ہے۔

اپنی معلومات کی جانچ کیجئے۔نمونہ جوابات

سوال ۱ فیض کی غزل گوئی پر تبصرہ کیجئے۔

سوال ۲ فیض کی غزل ترقی پسند ادیب میں کس مقام کی حاصل ہے۔تفصیل لکھیے۔

جواب:سوال ۱ اورسوال ۲ کے جوابات 4.3 میں دیکھیے۔

4.4 خلاصہ: اس اکائی میں ہم نے آپ کوفیض کی غزل گوئی کے بارے میں معلومات دیں۔آپ کو بتادیا کہ فیض نے ترقی پسند تحریک سے وابستگی کے باوجود کلاسیکت اور جدید دور کے تقاضوں میں ہم آہنگی اختیار کی۔ان کے ہاں ابہام نہیں ملتا لیکن اشارات اور علامات ملتے ہیں۔ہم نے یہ بھی بتادیا کہ کمیت کے اعتبار سے فیض کی غزل کا سرمایہ کم ہونے کے باوجود کیفیت کے اعتبار سے گراں ہے۔فیض نے غزل کے داخلی حسن کو برقرار رکھتے ہوئے اس کو عصری سماجی اور معاشی اور سیاسی حالات کا ترجمان بنایا۔اس اکائی میں عمومی جائزہ بھی آپ نے پڑھا۔آپ نے اپنے معلومات کی جانچ بھی کی۔آخر میں نمونہ امتحانی سوالات بھی دیئے گئے ہیں۔فرہنگ میں مشکل الفاظ اوران کے معنی ہیں۔سفارشی کتب کی فہرست بھی دی گئی ہے کہ ان کتابوں سے آپ استفادہ کریں۔

4.5 نمونہ امتحانی سوالات:

سوال ۱۔ غزل گو کی حیثیت سے فیض کی شاعری پر تبصرہ کیجیے۔

سوال ۲۔ فیض کی غزل گوئی کی اہم خصوصیات کا جائزہ لیجیے۔

سوال ۳۔ فیض کی غزل کو کن زاویوں سے امتیاز حاصل ہے۔ وضاحت کیجیے۔

4.6 فرہنگ:

سدا	:	ہمیشہ
معاندانہ	:	دشمنوں جیسا
تضحیک	:	ہنسی اڑانا، ذلت
درخورِ اعتنا	:	توجہ کے قابل
رقم کردیا	:	لکھ دیا
متاع	:	دولت، پونجی
تیغ	:	تلوار
بسمل	:	گھایل، زخمی
فگار	:	زخمی، مجروح
مدح	:	تعریف

طربِ خیز	:	خوشی کو زیادہ کرنے والا
غمِ انگیز	:	غم کو زیادہ کرنے والا
بیگانہ	:	غیر، اجنبی، ناواقف
دلفریب	:	دل کو دھوکا دینے والا
عتاب	:	ملامت، غصہ
مرگ	:	موت
بے نیل و مدام	:	بغیر کچھ پائے ہوئے
کاسہ	:	پیالہ، بھیک کا ٹھیکرا
ارغوں	:	سرخ
گم گشتہ	:	کھویا ہوا
زیاں	:	نقصان
اجل	:	موت
گام	:	قدم
گراں بہا	:	زیادہ قیمتی

4.7 سفارشی کتب

1. خلیق انجم : فیض احمد فیض
2. صابردت : فن اور شخصیت (فیض نمبر)
3. ''سہ ماہی اردو ادب'' : خصوصی شمارہ فیض پر

Notes

Notes

ಆದೇಶ ಸಂಖ್ಯೆ : ಕರಾಮುವಿ/ಅಸಾವಿ/2–1615/2012–2013 ದಿನಾಂಕ : 24.07.2012
ಒಳಪುಟ : 60 GSM ವೆಸ್ಟ್‌ಕೋಸ್ಟ್ ಪೇಪರ್ ಮತ್ತು ಹೊರಪುಟ : 170 GSM ಆರ್ಟ್‌ಕಾರ್ಡ್
ಮುದ್ರಕರು : ಗೀತಾಂಜಲಿ ಗ್ರಾಫಿಕ್ಸ್, ಬೆಂಗಳೂರು. ಪ್ರತಿಗಳು : 200

Karnataka State Open University

Manasagangotri Mysore - 570 006

The Open University system has been initiated in order to augment opportunities for higher education and as an instrument of democratizing education.

National Education Policy 1986

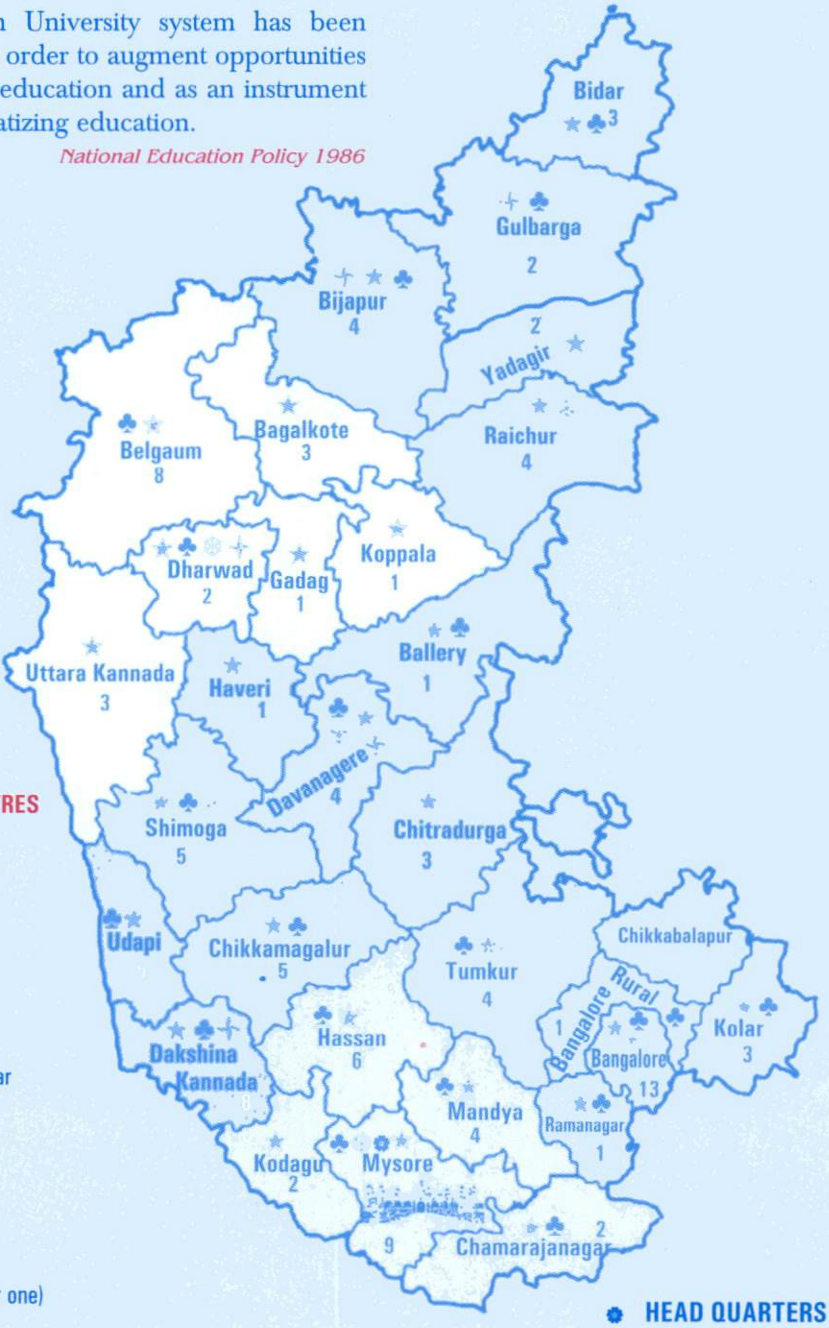

♣ REGIONAL CENTRES

Bangalore
Davanagere
Gulbarga
Dharwad
Shimoga
Mangalore
Tumkur
Hassan
Chamarajanagar
Bellary
Mandya
Kolar
Bijapur
Belagaum
Ramanagar
Bangalore (another one)
Chikmagalur
Udupi
Karwar
Bidar
Mysore

- ✿ **HEAD QUARTERS**
- ★ **Total Study Centres : 123**
- ♣ **Regional Centres : 21**
- ❄ **B.Ed Study Centres : 10**
- ✦ **M.Ed Study Centres : 06**

KSOU

Higher Education to everyone everywhere
ಉನ್ನತ ಶಿಕ್ಷಣ ಎಲ್ಲರಿಗೂ ಎಲ್ಲೆಡೆ

ಕರ್ನಾಟಕ ರಾಜ್ಯ ಮುಕ್ತ ವಿಶ್ವವಿದ್ಯಾನಿಲಯ
ಮಾನಸಗಂಗೋತ್ರಿ, ಮೈಸೂರು – 570 006

Karnataka State Open University
Manasagangotri, Mysore - 570 006 Website : www.ksoumysore.edu.in